ہندوستان کی موسیقی، اواخر ماہ مارچ سال روان مین، بڑودہ مین ایک میوزک کانفرنس منعقد ہوئی تھی، مولانا عبدالحلیم شرر ایڈیٹر دلگداز نے جو ہندوستان مین مشرقیات کے بہترین عالم ہین اِس کانفرنس مین مسلمانون کے فن موسیقی پر ایک قابل قدر لکچر دیا تھا، لکچر مذکور دلگداز پریس مین چھپ گیا ہے، اور شائقین کو عام طور سے مل سکتا ہے، موضوع گو اس سے زیادہ وسعت طلب تھا، تاہم مولانا شرر کے فیاض قلم نے جو کچھ عنایت کیا ہے اُس پر بھی ہم قانع ہین،

ضخامت ۴۴ صفحہ، قیمت ۴ر، دلگداز، لکھنؤ سے طلب کیجئے،

ستارۂ صبح، مولوی ظفر علی خان بی، اے سابق ایڈیٹر دکن ریویو و زمیندار کی اڈیٹری مین کرم آباد (پنجاب) سے ایک ہفتہ وار علمی رسالہ "ستارۂ صبح" کے نام سے شائع ہونے لگا ہے رسالہ ہر ہفتہ بڑی تقطیع کے ۳۲ صفحہ پر نکلا کریگا، بالفعل صرف نمونہ کا پرچہ شائع ہوا ہے جسمین علمی، تاریخی، ادبی، اور مذہبی مضامین مختلف عنوانون کے تحت مین لکھے گئے ہین، کوشش کی گئی ہے کہ رسالہ ہندو مسلمان دونون کی یکسان دلچسپی کا باعث ہو،

مضامین تمامتر مولوی ظفر علی خان اور مولانا عبداللہ العمادی کے قلم سے نکلے ہوئے ہین اور گو مضمون نگارون کے نام نہین بتائے گئے ہین، لیکن آشنایانِ رمز بنیم ابرو خم کلاہ پیغان کے نشان سے اصل حقیقت تک پہونچ سکتے ہین، ہم اس اصول کے قطعاً مخالف ہین کہ کسی مشترک رسالہ کو صرف ایک ایڈیٹر کے نام مین منضم کر دیا جائے

گو ابھی صرف ایک نمبر شائع ہوا ہے، تاہم ابھی سے:

بالائے سرش ز ہوشمندی
می تافت "ستارۂ بلندی"

کاغذ و طبع، متوسط، قیمت (۶) روپیہ سالانہ، کرم آباد، پنجاب، دفتر معارف مشرقیہ،

جلد اول | ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ مطابق فروری ۱۹۱۷ء | عدد ہشتم

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

قافلہ کا آخری مُسافر

نواب وقار الملک مرحوم

علم والے، علم کا دریا بہا کر چل دیئے　　واعظانِ قوم، سوتون کو جگا کر چل دیئے
کچھ سخنور تھے کہ سحر اپنا دکھا کر چل دیئے　　کچھ مسیحا تھے کہ مُردون کو جلا کر چل دیئے

نواب محسن الملک کی وفات پر ہم نے تدبیر و سیاست کا ماتم کیا، مولانا نذیر احمد کے مرنے پر سحر نگاری اور بزم آرائی کا مرثیہ پڑھا، مولانا شبلی کی موت پر ہم نے علم کے فقدان پر نوحہ کیا، مولانا حالی کو رخصت کرتے ہوئے ہم نے سخنوری اور دقیقہ سنجی پر نالہ کیا، لیکن نواب وقار الملک کی رحلت پر ہم قوم کا ماتم کرتے ہین، اور اولو العزمانہ اخلاق کی گمشدگی پر فریاد!

یہ ہستیٔ گرانمایہ جس نے ہماری دنیا کو، ۲۷ جنوری ۱۹۱۷ء مین الوداع کہا، ہمارے کارفرما قافلہ کا آخری مسافر تھا، اسکے بعد وہ دور جو انقلاب ہند کے بعد شروع ہوا تھا ختم ہوگیا! وہ دور جو انگریزی کالجون کی کائنات نہین، بلکہ بوریا نشین مدارس کا نتیجہ تھی، منتہی ہوگیا! وہ دور جو قدیم تعلیم اور قدیم اخلاق کے نمونون کو پیش کرتا تھا، منقطع ہوگیا! یعنی آیندہ ہماری قسمت کے مالک عربی مدارس کے تملے نہونگے بلکہ انگریزی درسگاہون کے ہیٹ اور جبے ہونگے، اب

مشرق، مشرق کی قومیت پر حکومت نہین کریگا، بلکہ مغرب، اب لیڈری اور رہبری جمہور کے لئے جوش دل اور اخلاص عمل ضروری نہوگا، بلکہ صرف ایک کامیاب عہدہ، اور ایک عمدہ سوٹ!

فیا ذلاہ علی بقیۃ الاسلام، ویا خیباہ للمسلمین!

۲-فروری ۱۹۱۷ء کو مرحوم کے ماتم مین دار المصنفین بند رہا، شب کو تمام اہل شہر نے دار المصنفین کے ہال مین جلسۂ تعزیت کیا، اور دیر تک مقرّرون نے اُنکے محاسن و فضائل بیان کئے، تمام مجمع سر تا پا اثر تھا، اور اس فقدان عظیم پر متحسر،

اُردو انسائیکلوپیڈیا کی اسکیم پڑھکر بعض احباب کو تشویش ہی کہ ان کانٹون مین سیرت کا دامن نہ الجھ جائے، اُنہین اطمینان رکھنا چاہئے کہ آستانۂ نبوت کی خدمتگذاری اب جان کے ساتھ ہے، گو کتنے ہی دلفریب اور خوشنما تماشے آنکھون کے سامنے ہون، لیکن اس آستانہ سے اب سر نہین اُٹھ سکتا۔

ہر جلوۂ مرا نتواند فریب داد　　پروانۂ چراغ سرِ طور بودہ ایم

سیرۃ نبوی کی پہلی جلد، دیباچہ سے لیکر ختم غزوات تک ۵۰۲ صفحون مین تمام ہوئی، آخری صفحات تک پریس مین جاچکے، اب اپریل مین اُسکی اشاعت کی اُمید بدل بہ یقین ہوتی جاتی ہے، دوسری جلد، اسلام کی امن کی زندگی، اور اس زمانۂ امن مین آنحضرت صلعم کے کارنامون کی بیان، حجۃ الوداع، تکمیل شریعت، وفات، شمائل، اخلاق، عادات، اور ذکر ازواج و اولاد وغیرہ پر مشتمل ہے،

مقالات

بزم سحر

عہد خزان کی چند کلیان

اسلامی ہندوستان کا عہد آخر اور علوم جدیدہ

مسلمانون کے ذوق طلب، اور لیلاے علم کے ساتھ اُنکے عشق کی داستان سیکڑون بار دُہرائی جا چکی ہے، دمشق، بغداد، مصر، اور اسپین مین جو کچھ ہوا، اُس کا ایک ایک حرف بھی سنایا جا چکا ہے، ابتدائی صدیون مین ایران، و مصر و یونان کے علوم و فنون کے جو تراجم عربی زبان مین منتقل کئے گئے، وہ بھی نظر کے سامنے ہین، لیکن منکرین کی زبانون پر ہمارے دعوی کے ثبوت کے لئے اب تک ھل من مزید کی صدا بلند ہے،

دنیا کی تمام قومون کو اپنے اپنے عروج و ترقی کے زمانون مین اس قسم کے کارنامون کے انجام دینے کا دعوی ہے، اور بجا دعوی ہے، لیکن یہ شرف صرف مسلمانون ہی کیلئے ہے کہ اُنکا یہ شوق علاوہ ولولۂ علمی، اور جذبات فطری کے درحقیقت اُنکی قومیت کے شیرازہ بند اور اُنکے وجود کے مکوّنِ اعظم کے اشارۂ فرمان کا ایک طرب انگیز منظر تھا، داعی اسلام علیہ السلام نے کہا،

الکلمة الحکمة ضالة المومن، حیث وجدها فهو احق بها

حکمت کی بات ایک مومن کی گم شدہ دولت ہے، جہان پائے وہ اُسکا مستحق ہے،

ہم نے عرب سے نکل کر، جب مصر و شام مین قدم رکھا، سریانیون، قبطیون، رومیون اور یونانیون کے پاس یہ دولت نظر آئی، ہم بڑھے، اور بڑھکر اپنی دولت اُنسے چھین لی،

عراق و فارس کی طرف گذر ہوا تو کسریٰ کے خزانون مین بھی کچھ گم شدہ جواہر ریزے نظر آئے، انکو بھی اُٹھا کر اپنی جیب و آستین مین رکھ لیا، ہندوستان کی طرف قدم بڑھا تو پنڈتون کی پوتھیان نظر آئین، ان بوڑھے برہمنون نے ہر چند چاہا کہ ان ملیچھ لٹیرون کو ایسی گران بہا دولت نہ دی جائے، لیکن ہم نے کبھی سمجھا بجھا کر، کبھی پھسلا بہلا کر کچھ نہ کچھ چھینتے لے ہی لئے،

اب ہمارے انحطاطِ عمر کا زمانہ تھا، قویٰ مین اضمحلال اور دورۂ خون مین سکون، آچلا تھا، ایک ہزار برس کے جد و جہد اور سعی و محنت سے ہم تھک کر چُور ہو گئے تھے کہ نوجوان سرمایہ دارون کا سامنا ہو گیا جنکی رگ رگ مین آغازِ شباب کی لہر تھی، جنکے بند بند مین تہزوردن کی قوت تھی، اُنکے ساز و سامان و متاع پر نگاہ پڑی تو نیا، اور اپنے سے بہتر اور گران قیمت پایا، اس قصہ پر تین صدی سے زیادہ گذرنے کو آئی، لوگون نے یہ داستان فراموش کر دی ہوگی، لیکن ہم کو یاد ہے کہ با این ہمہ پیری و ناتوانی، اگر ہم اُنسے کچھ چھین نہ سکے تو نوچ کھسوٹ مین کچھ مال اُنسے ضرور ہات آیا، یہ **یورپ** کی نوخیز قومین تھین، جنکا تانتا ہندوستان کے سواحل پر سولھوین صدی سے لگنا شروع ہو گیا تھا، اندرون ہندوستان مین اہل یورپ کی آمد سترھوین صدی کا واقعہ ہے، **شہنشاہ اکبر** اندنون فرمانروا تھا، ہندوستان مین مسلمانون کے لئے **انجیل** بالکل نئی چیز تھی، اکبر کے حکم سے اُسکا فارسی مین ترجمہ کیا گیا، ہندوستان مین یورپین زبانونکی تاریخ تراجم کا یہ سب سے پہلا صفحہ تھا، **خانخانان** جو دربار اکبری کا ہفت زبان بلبل تھا، اُسکو **فرنگی زبان** سیکھنے کا فرمان ملا، عبد الباقی خان مآثر رحیمی مین لکھتا ہے:

چون اکثر بنادر ہندوستان در تصرف مسیحیہ است ۔ ۔ ۔ ۔ و مکاتبات و مراسلات

درمیانہ سلاطین افرنجہ و خواقین ہندوستان بسیار واقع می شود، بادشاہ ظل اللہ اکبر شاہ

این سپه سالار (عبدالرحیم خانخانان) را به فراگرفتن زبان عیسوی و بهم رسانیدن سواد و خط این قوم فرمان داد، به اندکے اختلاط و صحبتے که با خاصان آن قوم که در پاے تخت بادشاهی بودند، و تجار و مترددین ایشان نمود، به دستورے تتبع آن خط و زبان آن قوم کرد که بے شائبه ریا بهتر از آن قوم می داند۔

جهانگیر، شاهجهان، اور عالمگیر کے عهد مین، اهل یورپ کا علمی حیثیت سے کوئی پایه نه تها، هندوستان مین اُنکی شهرت اور ناموری کا ذریعه صرف تین چیزین تهین، جهازرانی و تجارت، اور جراحی، انقلابات روزگار سے صرف تیس چالیس سال مین هندوستان کی زمین و آسمان بدل گئی، تمام ملک مین سیاسی اضطرابات برپا هو گئے، نادر شاه اور احمد شاه نے پنجاب سے دلّی تک اور مرهٹون نے دکن سے پنجاب تک ایک خاک سی اڑا دی تهی ابهی یه شعلے فرو بهی نهونے پائے تهے که سکهون نے سر اُٹهایا، بادشاه گردی نے تیموریون کی فرمانروائی کا رها سها ساکه بهی اُٹها دیا تها، صوبه دارون نے بڑھ بڑھکر بادشاهیون کا دعوی کیا، ان تمام شورشون، ان تمام هنگامون اور ان تمام فتنون کے باوجود، جب ذرا بهی فراغ خاطر نصیب هوا، نئے استادون سے سیکھنے مین هندوستان نے تامل نه کیا، بحری، فوجی، اور انتظامی حیثیت سے جس حد تک تعلیم حاصل کی گئی تهی، وه لاهور، میسور، حیدرآباد اور پونه کی گذشته سیاسی تاریخ مین مدفون هے، اور اس سے هکو اسوقت بحث نهین، اس مضمون مین هکو صرف علمی حیثیت کا مرقع کهینچنا هے،

اس سلسله مین علما کا سب سے پهلا کام سنه ۱۱۲۷ھ مین دلّی مین جدید طرز پر ایک رصدخانه کا قیام هے، محمد شاه کے حکم اور راجه سوائی سنگھ والئی جے پور کے اهتمام سے، یه رصدخانه قائم هوا تها، اس رصدخانه کی تعمیر پر بیس لاکھ روپئے صرف هوے تهے، مرزا خیرالله مهندس اور

دیگر علماے هند و ایران کے علاوه متعدد یورپین ماهرین علم هیئت، اسکی تعمیر و تنظیم مین شریک تهے، بهت سے آلات اس مین یورپ سے منگوا کر نصب کئے گئے تهے،

مشرق کا یه سب سے پهلا رصدخانه تها جس نے یورپ کی جدید تحقیقات کی تصدیق کی، اس رصدخانه کی تحقیقات کا مجموعه زیچ محمد شاهی کے نام فارسی مین موجود هے، اور بانکی پور کی اورینٹل لائبریری مین هماری نظر سے گذری،

"مسلمان اور علم هیئت" کے عنوان سے الندوه مین هم نے جو مضمون لکها تها اس مین اس رصد کی چند تحقیقات کی تفصیل کی هے، یهان جامع بهادر خانی کی اس عبارت کو پیش کرتے هین:

"در رصد محمد شاهی هم در ارصاد فرنگ ثابت شده است که زهره و عطارد و نیز اکتساب نور از شمس می کنند و حوالی احتراق آنها را هلالیت عارض می شود" (ص ۷۵)

جدید هیئت کے مطابق بعض سیارات کے گرد چاندون کا گردش کرنا، زحل کا اهلیلجی الشکل هونا، آفتاب کے چهره پر داغ هونا، بعض ثوابت کا حقیقت مین سیاره هونا بهی اس رصدخانه سے ثابت هوا،

علم هیئت اور هندسه کے آلات شروع شروع هندوستان مین یورپ سے آئے تهے بعض علماے هند نے جب انکو دیکها تو بغایت پسند کیا، سر سید کے نانا خواجه فرید جو اکبر ثانی شاه دہلی کے وزیر تهے، اُنهون نے "فوائد الافکار فی اعمال الفرجار" فن پرکار سازی پر فارسی مین ایک رساله لکها هے، اسکے دیباچه مین آله پرکار کی واقفیت کی نهایت دلچسپ تاریخ بیان کی هے، لکھتے هین:

"کتب ریاضی کے کسی حاشیه مین میری نظر سے گذرا تها که آلات ریاضی مین سے ایک آله تها

جسکو پرکار تمناسبہ کہتے ہین، اس سے اکثر اعمال نجومی اور بعض اشکال ہندسی اور مسائل حسابی آسانی سے حل ہوجاتے تھے، مگر چونکہ وہ آلہ مفقود ہے اسلئے اب اُسکا علم اور عمل بھی باقی نہین رہا"۔

اسکے سوا مین نے اپنے بعض اساتذہ سے بھی ایسا ہی سنا تھا، اسلئے اس آلہ کے دیکھنے کا مجھے کمال اشتیاق تھا جس ریاضی دان سے ذکر کرتا وہ لاعلمی بیان کرتا اور اکثر کہتے تھے کہ اس معمولی پرکار کے سوا جو دائرہ کھینچنے اور خطون کے ناپنے مین استعمال ہوتا ہے اور کوئی پرکار نہین، جب ۱۲۴۲ھ مین میرا لکھنؤ جانا ہوا، وہان جنرل مارٹین اور مسٹر گوراوسلی سے ملاقات ہوئی، انکے پاس مین نے لوہے اور پیتل کا بنا ہوا ایک عجیب آلہ دیکھا، مین نے اسکا حال پوچھا، اُنھون نے کہا یہ پرکار تقسیم ہے، اس سے خطوط، دوائر، سطوح، اور اجسام مختلفہ کی تقسیم آسانی سے ہوجاتی ہے،

یہ آلہ جنرل مارٹین کا تھا، مین نے اُنسے مستعار لیا، اور مجھے یقین ہوگیا کہ پرکار تمناسبہ یہی ہے، چونکہ مسٹر گوراوسلی نے اس آلہ سے چارون مذکورۂ بالا عمل میرے سامنے کئے تھے مجھے خیال ہوا کہ دیکھین اس سے کوئی عمل نجومی بھی استخراج ہوتا ہے یا نہین، آخر جب اُس سے کوئی عمل نہ ہوسکا تو مین نے سمجھا کہ یہ پرکار تمناسبہ نہین ہے، مگر چند روز غور کرنیکے بعد مین نے اسی اصول کے مطابق اسکے بنانے کا طریقہ ذہن نشین کرکے ویسا ہی ایک پرکار چاندی کا طیار کیا۔

مسٹر گوراوسلی نے اُسکو مجھسے لیکر نواب سعادت علی خان کی خدمت مین پیش کیا، اور نہایت تعجب ظاہر کیا کہ اکثر لوگ اس پرکار کے عمل سے بھی واقف نہین ہین چہ جائیکہ ایسا پرکار خود بنالینا کہ ولایت مین بھی ہر شخص نہین بنا سکتا، سر گوراوسلی نے کہا کہ مجھکو صرف اسقدر معلوم ہے کہ پرکارون کے گنج مین ایک آلہ ایسا بھی ہے جس سے یہ پرکار تیار ہوتا ہے، مگر مین یہ نہین جانتا کہ کس طرح تیار ہوتا ہے، تم نے بغیر آلہ کے یہ پرکار کیونکر بنالیا؟

چونکہ مین نے کبھی گنج پرکار دیکھا نہ تھا، مین نے اسکے دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کیا، سر گوراوسلی نے اپنے بکس مین سے گنج نکال کر وہ آلہ مجھکو دکھایا، اس پر بہت سے ہندسے اور خطوط کندہ تھے، مین نے اُنکا حال پوچھا، اُنھون نے دو تین عمل کرکے دکھائے اور کہا کہ مین اس سے زیادہ نہین جانتا، لیکن مین نے سنا ہے کہ اس سے بہت سے اعمال ہندسی اور حسابی اور اکثر اعمال نجومی ہوسکتے ہین، مگر مین، بلکہ ہندسون کے سوا کوئی انگریز نہین جانتا، وہ گنج چونکہ نہایت عمدہ اور نفیس تھا، گو میرا جی بہت للچایا مگر مستعار مانگنا مناسب نہ جانا۔

اسکے بعد مین نے کئی پرکار تقسیم پیتل کے تیار کرکے اور انگریزی ہندسون کے بجائے فارسی ہندسہ کندہ کرکے اپنے دوستون کو دیدیئے، چند روز کے بعد جب میرا کلکتہ جانا ہوا، وہان جاکر مین نے ایک گنج پرکار خریدا، جسمین وہ آلہ مطلوبہ بھی تھا، مین نے نہایت کوشش اور فکر و غور سے اُسکے اعمال دریافت کئے، اور عمل استخراج ظل اور اکثر اعمال ہندسی اور نجومی نکالے، اور مجھکو یقین ہوگیا کہ پرکار تمناسبہ جو کبھی عرب و عجم مین مروّج تھا وہ یہی ہے"، اور اب یورپ کے سوا کہین رواج نہین رہا۔

یہ ایک ضمنی اور سرسری واقعہ تھا، لیکن کسقدر سرتاپا عبرت، اور حسرت تھا! خواجہ نے اس جملہ معترضہ کے بعد پرکار کے فوائد واعمال پر فارسی مین رسالہ لکھا، جسکا قلمی نسخہ علیگڈھ کالج کی لائبریری مین موجود ہے،

اسی زمانہ کے قریب یعنی ۱۲۵۳ھ مین دلی مین جدید علوم کے واقفکار دو اور بزرگوار

بھی تھے، **میر امان** دہلوی، اور غلام محی الدین دہلوی، دونون حیدر آباد مین رہتے تھے، اور
انگریزی زبان سے کتابون کے اردو فارسی مین ترجمے کرتے تھے،

دلی جب مٹی تو اس خمیر سے دو اور گھروندے تیار ہوئے، لکھنؤ اور حیدر آباد، انکے
علاوہ انگریزون کی نوخیز حکومت کا مرکز کلکتہ تھا، ان مین سے ہر مقام مین اس سلسلہ مین
کچھ نہ کچھ کام انجام پایا ہے،

لکھنؤ لکھنؤ کا سایۂ اقبال اگرچہ دیرپا نہ تھا، تاہم جب تک بھی رہا، بڑے بڑے ارباب
فن اور اصحاب کمال کا مرجع رہا، حکومت کے بڑے بڑے عہدون پر علماہی سرافراز تھے،
اور انگریزون سے برابری کے دعوی کے ساتھ ملتے تھے، اسلئے انکی صحبت سے متاثر ہونیکا
موقع انکو زیادہ ملتا تھا، بادشاہ اودہ کی طرف سے لندن مین ایک سفیر رہتا تھا، یہ بھی گروہ
علماہی سے منتخب ہوتا تھا، مولوی اسمعیل اور مولوی محمد حسین ابتک اسی بنا پر **لندنی**
کہلاتے ہین، مولوی محمد اسمعیل لندنی کا ہیئت مین ایک رسالہ ہے، ندوہ کے کتبخانہ مین
موجود ہے، اس مین امریکہ کا ذکر اور یورپ کے علمی اکتشاف کا تذکرہ ہے،

مولوی محمد حسین کا ایک عربی خط ہے اور خط کیا درحقیقت رسالہ ہے، یہ رسالہ نہایت
خوشخط ندوہ کے کتبخانہ مین موجود ہے، اس رسالہ مین اپنے ایک دوست کے سامنے یورپ کے
عجائبات کا نہایت عمدہ نقشہ کھینچا ہے، پہلے یورپ کا جغرافیہ لکھا ہے، پھر وہانکی علمی
ذوق وشوق کی کیفیت، مطابع کے فواید اور منافع لکھے ہین، تصنیفات کی کثرت دکھائی ہے،
بتایا ہے کہ مشرقی زبانون کے ساتھ بھی انکو کسقدر اعتنا رہے، پھر انکے علوم وفنون پر ایک
مختصر ریویو کیا ہے، بعض مصنفین کا تذکرہ کیا ہے، جارج **سیل** کے ترجمہ قرآن پر حیرت
ظاہر کی ہے، بتایا ہے کہ الٰہیات کو انھون نے بیہودہ اور بیکار سمجھکر علم سے خارج کردیا ہے،

اور منطق بقدر کفایت سیکھتے ہین، اسکے بعد انکے بعض اختراعات کا تذکرہ ہے، اور آخر مین
جدید علم ہیئت مین یورپ کے اکتشافات کی تفصیل ہے،

یہ رسالہ مجھے اسقدر پسند آیا تھا کہ اسکی اصل عربی مع اردو ترجمہ کے مشہور عربی رسالہ
البیان (۱۳۲۸ھ) مین جو کبھی میری ایڈیٹری مین لکھنؤ سے شائع ہوتا تھا، چھپوادی تھی، اور
ناظرین نے اسکو بڑے شوق سے پڑہا تھا،

اس زمانہ کے مشاہیر علما مین لکھنؤ مین تفضل حسین خان تھے، جو **علامہ** کے خطاب سے
مخاطب تھے، علامۂ ممدوح کو یورپ کی متعدد مردہ اور زندہ زبانون پر عبور تھا، علم ہیئت مین
اس عہد مین اپنا جواب نہین رکھتے تھے، چونکہ بڑے بڑے مناصب پر ہمیشہ ممتاز رہے،
اسلئے عقلائے فرنگ سے شب وروز کی صحبتین رہتی تھین، جدید علوم کی طرف شوق وتوجہ
پیدا ہونے کا یہی سبب ہے،

نصیر الدین حیدر کے عہد مین مولوی عبدالرب، کمال الدین حیدر، اور مفتی اسمعیل
بن وجیہ مرادآبادی، نہایت مشہور ماہر فن تھے، لکھنؤ مین جو یورپین علما تھے، اُنسے صحبت رہتی تھی
۱۲۴۷ھ مین نصیر الدین حیدر کا عہد اور مہدی علیخان کی وزارت تھی کہ لکھنؤ مین ایک رصدخانہ کے
قیام کا خواب دیکھا گیا، **ہربرٹ** نام ایک انگریز عالم ۱۶۰۰ ماہوار پر اسکا مہتمم قرار پایا، خورشید
منزل کے پاس جنرل مکلاوڈ کی بنائی ہوئی ایک کوٹھی تھی، اس مقصد کے لئے اسی مقام کا
انتخاب ہوا، رصدخانہ ابھی زیر تعمیر ہی تھا کہ ہربرٹ کا انتقال ہوگیا، جب محمد علی شاہ کا زمانہ
آیا تو نئے سرے سے اس کام کا خیال آیا، بادشاہ نے بھی اس غرض کے لئے بڑی فیاضی سے
روپیہ دیا، چار لاکھ روپیہ صرف اسکی عمارت پر صرف ہوا، خطوط و دوائر کے کھینچنے کیلئے پچاس ہزار کا
پتھر مرزاپور سے منگوایا گیا تھا، اور ایک لاکھ روپیہ کے آلات لندن سے آئے تھے، رصدخانہ کا

اہتمام کرنل ولکاکس کے متعلق تھے، دس برس مین تعمیر تکمیل کو پھونچی، رصدخانہ کا نظام بالکل گرین وِچ کے مشہور رصدخانہ کے مطابق تھا، کل اُنیس لاکھ اس رصدخانہ پر صرف ہوا تھا،

اس رصدخانہ مین کرنل ولکاکس وغیرہ انگریز علمار کے علاوہ مولوی عبدالرب، کمال الدین حیدر، اور مفتی اسمٰعیل مرادابادی بھی شریک کار تھے، ۱۲۷۲ھ مین واجد علی شاہ کے زمانہ مین ولکاکس کا انتقال ہوگیا، رصدخانہ صرف اُسکے دم سے زندہ تھا، ایک بہت بڑا اور نادر کتبخانہ اس رصدخانہ مین موجود تھا، وہ سب اُٹھکر علی نقی خان کے محل مین جو اندنون وزارت کرتے تھے چلا آیا[۵]،

شاہانِ اودہ کی طرف سے لکھنؤ مین ایک دارالترجمہ بھی قائم تھا، جس مین جدید علوم وفنون کی کتابین ترجمہ ہوکر، اور مطبع سلطانی مین چھپکر شائع ہوتی تھین، سید کمال الدین حیدر جنکا ذکر اوپر گذر چکا ہے، انکا اصل نام محمد میر حسنی تھا، اُنھون نے جدید علوم پر اُنیس رسالون کا انگریزی سے اُردو مین ترجمہ کیا، ان اُنیس رسالون مین سے حسب ذیل رسائل کا حال معلوم ہے،

(۱) رسالہ ہیئت، مصنفہ ڈاکٹر ولسن،

(۲) رسالۂ دیگر ہیئت، مصنفہ ڈاکٹر برنکلی،

(۳) رسالۂ علوم طبیعہ، (فزکس)

(۴) رسالہ قوت تفناطیسی، (الکٹریسٹی)

(۵) رسالہ علم الکیمیا، (کیمسٹری) مصنفہ پارکس،

(۶) رسالہ علم المناظر، (اوپٹکس)

(۷) رسالہ علم الماء، (ہیڈروسٹکس)

[۵] یہ تمام تفصیل قیصر التواریخ مین جو شاہان اودہ کے حال مین ہے، مذکور ہے،

(۸) رسالہ علم الہوار،

(۹) رسالہ علم الحرارۃ،

(۱۰) رسالہ مقاصد العلوم، مصنفہ لارڈ بروگھم،

اخیر رسالہ دفتر تاریخ **بھوپال** کے کتب خانہ مین موجود ہے، یہ رسالہ ۱۲۶۱ھ مین مطبع سلطانی مین طبع ہوا تھا، رسالہ کا موضوع مختلف علوم کے فواید اور اُنکے مقاصد اور مواضع بحث کی تشریح ہے، اصل انگریزی رسالہ کا عنوان یہ ہے،

A treatise on the objects, Advantages and pleasures of sience. by Lord Brougham.

مترجم نے مقدمہ مین لکھا ہے،

"حسب الحکم ابوالفتح معین الدین سلطان الزمان نوشیروان عادل محمد علی شاہ بادشاہ غازی حسب فرمائش محکمۂ اجلاس جنرل کامٹی (کمیٹی)، اسکول بک سوسائٹی کے، عاصی سراپا معاصی سید کمال الدین حیدر، عرف محمد میر الحسنی الحسینی نے زبان اُردو مین ترجمہ کیا اور صاحب عالیشان مہتمم رصدخانہ سلطانی سے اُسکا مقابلہ کیا"

رسالہ ایک مقدمہ اور پانچ فصلون پر منقسم ہے،

مقدمہ: مین مقصد علم اور فوائد علم کا بیان ہے،

پہلی فصل مین: علم ریاضی کا بیان ہے،

دوسری فصل مین: علم ریاضی اور علم طبیعی کی تحقیقون کے اختلاف کا بیان ہے،

تیسری فصل مین: علم طبیعی کا بیان ہے،

چوتھی فصل مین: علم طبیعی جو عالم حیوانات اور نباتات سے متعلق ہو اُسکا بیان ہے،

پانچوین فصل مین: فوائد اور مقاصد علم کا بیان ہے،

رسالہ مین علم کے جو فوائد بیان کئے گئے ہین، اُنکا مقصد یہ ہی کہ کس علم کے جاننے سے انسان کیا کرسکتا ہے،

سنہ ۱۲۶۵ھ کا ایک رسالہ مطبع نظامی لکھنؤ کا چھپا ہوا میری نظر سے گذرا ہی، رسالہ کا نام کشاف عالم، اور مصنّف کا نام حکیم الہند ہے، رسالہ کا موضوع جدید جغرافیہ ہے حکیم الہند نے نہایت ناز و غرور کے ساتھ اہل ملک کے سامنے اپنی یہ تالیف پیش کی ہے، رسالہ کے خاتمہ مین حکیم الہند نے اپنے فضل و کمال اور ابنائے عصر کی ناقدردانی پر بہت گریہ و ماتم کیا ہے، اور ارادہ کیا ہے کہ انگلش طرز حکومت پر ایک رسالہ لکھکر پبلک کے سامنے پیش کرے، آخر مین اپنی تصنیفات و ایجادات کا بھی ذکر کیا ہی رسالہ کی زبان فارسی ہے، لکھتے ہین:

تالیفات حکیم الہند اوّل در نفس انسانی، دوّم در بیان کیفیات شمس و قمر و عطارد و مشتری جملہ سیّارات بر طریق حکماے فرنگ و قدیم یونان، سوّم در بیان زمین و آب و جماد و زلزلہ و ژالہ و مدّ و جزر و باران و برق، چہارم جر اثقال (میکنکس) پنجم در علم حساب،

صفحات بالا اور آئندہ واقعات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین زیادہ تر فن ہیئت کی طرف لوگون کو توجہ تھی، لکھنؤ مین قدیم و جدید فنون ہیئت و ریاضی پر سب سے زیادہ ضخیم و محقق کتاب ایک ہندو نما مسلمان کی ہے، اس زمانہ مین شرفائے ہنود عربی و فارسی علوم پر کامل دستگاہ رکھتے تھے، راجہ رتن سنگھ محمدی نے لکھنؤ کے دربار مین حدائق النجوم کے نام سے ایک کتاب لکھی، جو اب بھی علماے ہند مین فلکیات پر مستند ترین کتاب سمجھی جاتی ہے، اس کتاب مین مصنف نے جدید و قدیم معلومات پہلو بہ پہلو لکھے ہین،

حسین انگریزی جوان ہوکر پڑھی، اور کتاب کے تمام مصارف خود اپنی ذات سے ادا کئے، مولوی کرامت حسین جونپوری ماخذ علوم مین لکھتے ہین:

و خصوصاً کتاب حدائق النجوم فارسی مین مولفہ راجہ رتن سنگھ علیہ الرحمہ کی بہت مفید ہے، اُس مرحوم نے انگریزی زبان سیکھ کر علم حاصل کیا، اور عربی مین استعداد کامل رکھتا تھا، اور سب خرچ اپنی ذات سے کیا، بڑا آدمی ہو تو ایسا ہو،

دلی کے شہزادہ سلیمان جاہ لکھنؤ مین آ گرہ گئے تھے، نصیر الدین حیدر کے زمانہ مین مرادآباد کے مولوی رستم علی سنبھلی نے زیج سلیمان جاہی لکھکر پیش کی، ایک انگریز نے فن زراعت پر ایک رسالہ اُردو مین لکھا، اسکا مطبوعہ نسخہ مین نے دیکھا ہے،

حیدرآباد

لکھنؤ کے بعد اس عہد مین مسلمانون کا دوسرا مرکز حیدرآباد تھا، جہان سیاسی فتنون سے کسیقدر فراغ حال نصیب تھا، سنہ ۱۲۴۰ھ مین نظام الملک میر فرخندہ علیخان فتح جنگ فرمانرواے حیدرآباد تھے، اس زمانہ مین حیدرآباد مین نواب محمد فخر الدین خان المخاطب بہ شمس الامرا ایک نہایت ذی علم امیر تھے، ریاضیات اور خصوصاً ہیئت سے اُنکو غایت درجہ شغف تھا، ایک بڑے کمرے مین آلات ہیئت اسقدر اُنھون نے جمع کئے تھے کہ پورا رصد خانہ معلوم ہوتا تھا۔

شمس الامرا کی علم دوستی نے بہت سے ماہرین فن کو اُنکے سایۂ دامن مین جمع کردیا تھا، سنہ ۱۲۴۱ھ مین شمس الہندسہ کے نام سے اُنھون نے علم ہندسہ پر ایک کتاب لکھی میر شجاعت حیدرآبادی نے شمس الامرا کے حکم سے کیمسٹری کی ایک کتاب انگریزی سے ترجمہ کی، ریوٹنڈ چارلس (۱۸۱۸ء) کا انگریزی مین مختلف علوم پر چھ رسالون کا ایک سلسلہ تھا، نواب شمس الامرا کے اہتمام سے سنہ ۱۲۵۳ھ مین میر امان دہلوی، مولوی غلام محی الدین دہلوی، مسٹر جونس (انگریز)

اور موسیو تنندوسی (فرنچ) نے پورے سلسلہ کا اُردو مین ترجمہ کیا، اور رسالہ شمسیہ اسکا نام رکھا اس سلسلہ کا تاریخی نام "تالیف نواب شمس الامرا" قرار پایا، یہ سلسلہ چھوٹی تقطیع کی چھ جلدون مین حسب ذیل علوم پر منقسم ہے،

جلد اول جرثقیل، ہیولی، اسکے انقسامات کشش، انجماد، کشش ثقل، مرکز ثقل، کلیات حرکت، **جلد دوم**، علم ہیئت، **جلد سوم**، علم آب، **جلد چہارم** علم ہوا، **جلد پنجم** علم الانظار، **جلد ششم** علم دور نما،

مقدمہ مین تصریح کی ہے کہ قدیم اصطلاحات جہان نہین مل سکے ہین، اپنی طرف سے فارسی و عربی اصطلاحات وضع کئے گئے ہین، اور بدرجہ مجبوری انگریزی ہی اصطلاحات باقی رکھے گئے ہین،

کلکتہ

کلکتہ برطانی قوت کے نشو و نما کا پردرشگاہ تھا، عموماً جو انگریز یہان آتے تھے وہ اُردو فارسی اکثر لازمی طور سے سیکھتے تھے، جس ملک پر انکو حکومت کرنی تھی، وہ جدید علم و آداب سے بیخبر تھا، اس بنا پر اُنکو ضرورت پیش آئی کہ کلکتہ مین اس قسم کے علمار مجمع کئے جائین جو اس ضرورت کو پورا کرسکین، دلّی کے بعض شعرار، اور نثر نویسون سے جس طرح اُردو کے مختلف قصے لکھوائے گئے، عربی و فارسی زبانون کے ماہرین سے بھی اسی قسم کے کام لئے گئے۔

سب سے پہلے تو بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کا ذکر کرنا ہے، جسکے ذریعہ سے ملک مین قدیم عربی اور فارسی تصنیفات کا ذوق پیدا ہوا، ایک چیز جسکی تاسیس کے ہم مدت سے مشتاق ہین لیکن میسّر نہین آتی، وہ بآسانی قائم ہو سکی، یعنی ایک مجلس اشاعۃ العلوم، مولانا محمد وجیہ مولوی سید کرامت حسین جونپوری، مولوی کبیر الدین احمد وغیرہ اُسکے مہتمم و ممبر تھے، انکے علاوہ تقریباً ۸۰ آدمی گورنمنٹ عہدہ دار، زمیندار، تجار اور علمار اُسکے ارکان و ارباب اعانت تھے

مطبع مظہر العجائب سے مختلف کتابین چھپکر شائع ہوئین،

مولوی سید کرامت حسین، جونپور کے باشندہ اور امام باڑہ ہوگلی کے متولی تھے، مولوی صاحب ممدوح نے جدید علوم کامل واقفیت حاصل کی، اور یہ کہنا بلا مبالغہ صحیح ہے کہ اُردو زبان مین جدید **علم کلام** کے بانی اور واضع اول ہونیکا فخر انھین کو حاصل ہے، اُنکی ایک نہایت قابل قدر تصنیف **ماخذ علوم** ہے، دوسری تصنیف اُسی کا ضمیمہ ہے، ضمیمہ کے خاتمہ مین مولوی صاحب لکھتے ہین:

بہت برس ہوے کہ حکمائے فرنگ نے واقعی وحقیقی طبیعی و ریاضی کے علمون کو تجربیات و مشاہدات پر رکھا ہے، نظریات کو تابع مشاہدات و تجربیات کیا، حقیقت کی دریافت کیلئے یہ بہت اچھا طریقہ ہے، اور پڑھنے والے آنکھون سے دیکھ لیتے ہین، مگر اُسکے واسطے بڑے کارخانے اور قیمتی قیمتی بہت اسباب و آلات چاہیئے، اور طلاب علم استطاعت و بضاعت نہین رکھتے، اگر امرار اُنکی تائید فرمائین جیسے امرائے فرنگ ہر طرح سے مدد فرماتے ہین، تو وے جلد سب علمون مین پورے نکلینگے،

آگے چل کر وہ ایک دار الاشاعہ قائم کرنے کا مشورہ دیتے ہین، لکھتے ہین:

تو جو طالب العلم فی الجملہ استطاعت رکھتا ہو، اس زبان (انگریزی) کو سیکھ کے علم حاصل کرکے اپنی زبانون مین ترجمہ کرکے چھپوا کے مشتہر کرے، اور سردست جو لوگ اشاعت علوم کا دم مارتے ہین، اُنکو چاہیئے کہ طبعی و ریاضی کی کتابون کو جو عربی و فارسی و ہندی (اُردو) مین ترجمہ ہو کر چھپی ہین، اُنکے مالکون سے اذن لیکے اگر ضروری ہوئے سر سے چھپوا کے مشتہر کرین، مثلاً ہیئت مین رسالہ مفتاح الافلاک مع نقشہ اردو مین اگرچہ ہین سوال و جواب کی صورت کو

بدلدین تو بہت ہی مختصر ہوگا، خصوصاً کتاب حدائق النجوم فارسی مین مولفہ راجہ رتن سنگھ علیہ الرحمہ کی بہت ہی مفید ہے، اس مرحوم نے انگریزی زبان سیکھ کے علم حاصل کیا اورعربی مین استعداد کامل رکھتا تھا"

ان فقرون سے معلوم ہوتا ہے کہ جدید علوم پر کچھ اور کتابین بھی ترتیب پائی تھین،

آخر مین ہم ایک اور کتاب کا ذکر کرتے ہین جسکا نام جامع بہادر خانی ہے، یہ فارسی زبان مین فل اسکیپ سائز پر ۶۱۴ صفحہ کی ایک ضخیم کتاب ہے، اور ریاضیات کے تمام شعبون پر حاوی ہے ۱۸۳۳ع مین یہ کتاب اختتام کو پہونچی ہے، اور کلکتہ کے مطابع مین خود مصنف کے اہتمام سے چھپکر شائع ہوئی ہے مصنف کا نام غلام حسین جونپوری ہے، مصنف نے احتشام الدولہ مبارز الملک راجہ خان بہادر بہادر خان نصرت جنگ خلف مہاراجہ مترجیت سنگھ بہادر کے دربار مین یہ کتاب لکھ کر پیش کی تھی، بہادر خان غالباً ٹکاری کا راجہ تھا، جو صوبہ بہار مین اب تک ایک ہندو ریاست ہے،

کتاب پانچ خزینون پر منقسم ہے خزینۂ اول در علم ہندسہ، خزینۂ دوم در علم الصارا خزینۂ سوم در علم حساب، خزینۂ چہارم در منتخبات فنون ثلثہ، مقدمۂ خزینۂ پنجم در علم ہیئت اجرام علویہ وبسائط سفلیہ، خزینۂ ششم در تبیین مواامرات زیچ و تقویم،

یہ کتاب درحقیقت جدید و قدیم فنون ریاضی پر ایک بسیط محاکمہ ہے، اور اسقدر محقق ہے کہ اسکا ایک صفحہ بھی استناد سے گرنے نہین پایا، حکماے فرنگ کی تحقیقات سے اسقدر واقف ہے، شائد آج بھی کوئی مسلمان اس سے بہتر جاننے کا دعوی نہین کرسکتا،

یہ کوششین گو اس راہ مین نہایت خفیف تھین، لیکن انگریزی تعلیم کی پنجاہ سالہ اشاعت کے بعد بھی اس سے بہتر ہم کچھ نکر سکے،

فن منطق کی مختصر تاریخ

(۲)

از مولوی محمد سعید انصاری

متاخرین | ابن رشد کے بعد متاخرین کا دور شروع ہوتا ہے، جنھون نے منطق کی اصطلاح بدلدی، ان لوگون نے کلیات خمس کے ساتھ کتاب البرہان سے حدود و رسوم کی بحث جو درحقیقت اس درخت کا ثمر تھی، آمیز کردی، اور کتاب المقولات کو بالکل چھوڑ دیا، کیونکہ اہل منطق کو اس سے بالعرض بحث تھی بالذات نہین، اسکے ساتھ کتاب العبارہ مین عکس کا مبحث شامل کیا کہ یہ بھی ایک حد تک قضایا کی بحث کے تابع تھا، اسی طرح قیاس پر اس حیثیت سے گفتگو کی کہ وہ کوئی نتیجہ پیدا کرتا ہے، اسکی مادی حیثیت جسپر کتب خمسہ (برہان، جدل، خطابت، شعر، سفسطہ) لکھی گئی تھین بالکل نظرانداز کردی، بعضون نے قطعاً ترک کرنے کی بجاے خفیف اشارات کئے، لیکن جو چیز فن کی معتمد علیہ ہوا سکے لئے الام کہان تک نفع دیسکتا ہے،

ساتھ ہی منطق کو جو درحقیقت دوسرے علوم کے لئے آلہ اور ذریعہ تھا، مستقل علم بنادیا اور نہایت طویل بحثین شروع کین، چندہی دنون مین سلسلۂ سخن نے اتنا طول کھینچا کہ ہر عنوان پر ضخیم جلدین درکار ہوگئین، سب سے پیشتر منطق کو مستقل فن جس شخص نے بنایا وہ امام فخرالدین رازی ہین،

امام رازی | امام رازی نے ابن سینا اور فارابی کی تصنیفات پر کامل عبور حاصل کیا، پھر اپنی بعض تصنیفون مین ابن سینا کے چند خیالات کی تردید کی[1]، مثلاً شیخ نے اشارات مین لکھا ہے،

[1] اخبار الحکما صفحہ ۱۹۰ و ۱۹۱ -

جن لوگون کا یہ خیال ہے کہ "دوام، ضرورت سے جدا نہین ہو سکتا"، یہ بالکل باطل ہے اسلئے کہ ایک شخص نفی یا ایجاب کرتا ہے لیکن اسکا تعلق صرف اسی کی ذات سے ہوتا ہے، تمام لوگون سے کوئی واسطہ نہین ہوتا، جیسا کہ کسی کی نسبت یہ کہا جائے کہ وہ گو را ہے تو اس ایجاب کا تعلق صرف اسی سے ہوگا۔

رازی نے اسکی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ شیخ کے نزدیک جزئیات مین دوام، کبھی ضرورت سے جدا ہو جاتا ہے، لیکن کلیات اس سے مستثنیٰ ہین حالانکہ یہ طرز بحث اصول منطق کے خلاف ہے، منطقی کو بیشتر ضرورت اور دوام کی جہتون کا فرق معلوم کرنا ضروری ہے، قطع نظر اسکے کہ ان مین تلازم ہو یا نہو،

جب یہ مسلّم ہے کہ جزئیات مین دوام، ضرورت سے جدا ہو سکتا ہے تو لازم آتا ہے کہ تمام جزئیات مین علٰحدہ علٰحدہ دوام ضرورت سے خالی ہو سکے، کیونکہ ایک نوع کی جزئیات کا ہمیشہ ایک ہی حکم ہوتا ہے اور اسوقت کلیات مین بلا ضرورت دوام حاصل ہو جائیگا[1]

یا مثلاً شیخ نے تحریر کیا ہے کہ بعضون کا یہ گمان کہ "ایجاب کلی اطلاق عام مین دوام کے بغیر صادق نہین آسکتا"، غلط ہے اسلئے کہ جب ہم یہ کہتے ہین کہ بعض ج، ب ہے تو یہ بالکل صحیح ہوتا ہے، خواہ وہ بعض وقت مین ب سے بھی موصوف ہو، اسی طرح اگر یہ کہا جائے کہ بعض کے کل افراد پر فلان حکم ہے تو یہ بھی صحیح ہوگا،

امام رازی لکھتے ہین کہ یہ خیال بھی خام ہے، اسلئے کہ جب بعض ج ب بالضرورۃ صادق ہے، تو اسکا یہ اطلاق غیر ضروری یا بالامکان یا بالعکس صحیح ہونا کیونکر ممتنع ہو سکتا ہے؟ خصوصاً ایسی حالت مین کہ ایک جنس جسکے تحت مین چند انواع ہون، اور ان مین محمول

[1] لباب الاشارات صفحہ ۱۶،

بعض کیلئے ضروری، بعض کیلئے ثابت غیر ضروری، اور بعض کے لئے مسلوب ہو ممتنع الوجود نہین، بلکہ ممکن الوجود ہے[1]

اسی طرح اشارات مین ارسطو کی تعریف جنس پر فرفوریوس نے جو اعتراض کیا تھا، شیخ نے محض اسکے نقل کرنے پر اکتفا کی، امام رازی نے ثابت کیا ہے کہ فرفوریوس کا خیال غلطی پر مبنی ہے اور دور کسی صورت مین لازم نہین آتا[2]

اسکے علاوہ اور بھی چند باتین ہین جنکا ذکر طوالت سے خالی نہین،

امام رازی نے منطق مین نہایت عمدہ کتابین تصنیف کین جنکے نام یہ ہین[3]

(۱) شرح عیون الحکمۃ

(۲) مباحث مشرقیہ، نہایت نفیس کتاب ہے، صفحہ کی ضخامت ہے، دار المصنفین کے کتبخانہ مین موجود ہے

(۳) لباب الاشارات

(۴) شرح اشارات

(۵) کتاب الطریقہ فی الجدل،

(۶) کتاب مباحث الجدل،

(۷) کتاب فی ابطال القیاس ناتمام رہی،

خونجی، نجوانی اور ابن ہملان

امام رازی کے بعد، **افضل الدین خونجی** نے نہایت کارآمد کتابین تصنیف کین، یہانتک کہ عرصہ تک متقدمین کے بجائے انہین کی کتابین داخل درس رہین، علامہ ابن خلدون لکھتے ہین[4]

وعلی کتبہ معتمد المشارقۃ لہذا العہد

یعنی انکی کتابون پر اس عہد کے مشارقہ کا دار و مدار ہے

[1] لباب الاشارات صفحہ ۲۰ [2] ایضاً ص ۸ [3] اخبار الحکما صفحہ ۱۹۱ و ۱۹۲، [4] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۵۳۸،

علامہ موصوف آٹھوین صدی مین گذرا ہے، اس بنا پر کم از کم دو سو برس تک افضل الدین کی کتابون کو قبول عام کا شرف حاصل رہا،

اس نے جو کتابین اور رسالے لکھے انکے نام یہ ہین[1]

(۱) کشف الاسرار، طویل ہے،

(۲) مختصر الموجز، پہلی کتاب کا اختصار ہے اور درس کے قابل ہے،

(۳) مختصر الجمل، چار ورق کا رسالہ ہے اسمین صرف فن کے اصول بیان کئے ہین، یہ رسالہ نہایت مقبول ہوا،

افضل الدین کے بعد نجم الدین نخجوانی نے اشارات کے منطقی حصہ اور اسکی شرح پر اعتراضات کئے، افضل الدین خونجی نے کتاب الکشف مین عکس نقیض، موضوع خارجی و حقیقی، انعکاس سالبہ کلیہ ضروریہ وغیرہ کے متعلق انکے جو خیالات تھے انکی تردید کی[2]،

ابن سہلان نے جامعیت کے ساتھ منطق کا اختصار کیا، انکی کتاب بصائر نصیریہ مصر مین چھپ گئی ہے، یہ درحقیقت شیخ کی اشارات کا خلاصہ ہے،

شیخ الاشراق

ابو الفتوح شہاب الدین عمر بن محمد سہروردی (المتوفی سنہ) نے بعض مسائل مین کچھ تصرفات کئے، اور نہایت اختصار کے ساتھ بحث کی، وہ خود لکھتے ہین[3]،

"ہم نے اس کتاب مین اختصار اس فن کی دوسری کتابون کی وجہ سے کیا ہے اور زیادہ تر مغالطہ کے بیان مین زور دیا ہے، کیونکہ بحث کرنے والونکو لوگونکی غلط بیانیون کا زیادہ شکار ہونا پڑتا ہے اس بنا پر غلطیون پر تنبیہ کرنا ضوابط صحیحہ کے بتلانے سے کسی طرح کم نہین"،

شیخ الاشراق نے جابجا نکتہ چینیان کی ہین، اور آخر مین محاکات کا ایک مستقل باب

[1] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۵۲۹، [2] مختصر الدول صفحہ ،، ۴۸۳، [3] شرح حکمۃ الاشراق صفحہ ۱۶۵،

باندھا ہے، جسمین نہایت شرح و بسط سے اختلافی امور کی تنقید کی ہے، ہم اسکے بعض مسائل یہان پر بحث کرتے ہین،

مشائین کے نزدیک یہ مسئلہ پایۂ ثبوت کو پہنچ چکا ہے کہ کسی چیز کی جب ذاتی عام ذاتی خاص مذکور ہوتی ہین، تو وہ ذاتی عام جو کسی دوسری ذاتی عام کی حقیقت کلیہ کا (جو ما ہو کے جواب مین واقع ہوتی ہے) جزء ہو جنس کہلاتی ہے، اور ذاتی خاص فصل،

شیخ الاشراق اس تعریف کو غیر منتظم قرار دیکر لکھتے ہین کہ اس سے بہتر اور جامع تعریف ہم نے دوسری کتابون مین تحریر کی ہے،

یہ حقیقت مسلمہ کہ مجہول صرف معلوم کے توسط سے دریافت ہو سکتا ہے شیخ کے نزدیک ناقابل تسلیم ہے، وہ کہتے ہین کہ ذاتی خاص مین یہ قاعدہ ٹوٹ جاتا ہے...... صرف ایک ذات سے ہوتا ہے، اب اگر اس ذات کو کوئی شخص نہ جانتا ہو تو ذاتی خاص کا علم کیونکر ہو سکتا ہے؟ اگر یہ کہ دوسری جگہ بھی پائی جاتی ہے تو خاص نہین، اور دوسری صورت مین اُسکا احساس بھی ممکن نہین، پھر تعریف کیونکر صحیح ہو سکتی ہے؟ کیونکہ کسی چیز کی تعریف کے لئے پیشتر خود اسکا معلوم ہونا ضروری ہے[1]،

اسی طرح محاکمات مین مشائین کے بعض قاعدون مین جو غلطیان رہ گئی ہین اُن پر بحث کی ہے، لیکن اُنکے سمجھنے کے لئے پہلے مقدمہ کے طور پر یہ ذہن نشین کرنا چاہیئے کہ جو چیزین خارج مین (ذہن سے باہر) موجود ہین، انکی دو صورتین ہین، یا تو وہ دوسری چیزون مین اسطرح حلول کر گئی ہین کہ بالکل پیوست ہو گئی ہین، مثلاً ہاتھی دانت مین سفیدی کہ وہ اس مین بالکل سرایت کر گئی ہے، اور اسکو ہیئت کہتے ہین، اور یا بالکل سرایت نہین کی، اور اسکا نام جوہر ہے،

[1] حکمۃ الاشراق صفحہ ۵۹ و ۶۰،

اب یہ اعتراض کہ جب ہیئت دوسری چیز (محل) کے ساتھ ہوتی ہے، اور اسکو کسی محل مین حلول کرنے کی ضرورت ہے، تو اسکے قائم بالذات یا ایک محل سے دوسرے محل مین منتقل ہونے کا کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے؟ کیونکہ منتقل ہونے کیلئے حرکت، جہت، اور وجود لازمی چیزین ہین، اور جب ہیئت بھی موجودات مین شامل ہے تو اسمین ابعاد ثلثہ (طول، عرض، عمق) نکل سکین گے، اور اسوقت وہ جسم بنجائیگی، نہ ہیئت، حالانکہ اسکی تعریف یہ کیجاتی ہے کہ اس مین ابعاد ثلثہ نہون،

اسی طرح ہیئت کی تعریف مین مشائین کی یہ قید کہ جس محل مین وہ سرایت کرے اس کا جزو نہو جاے" بالکل بیکار ہے، کیونکہ کل مین جزو سرایت ہی نہین کر سکتا، باقی جوہریت تو وہ قاعدۂ اشراق کے بموجب اجزاء ذہنی ہین، اجزاء خارجی نہین،

شیخ الاشراق کے بعد خواجہ نصیر الدین طوسی اور قطب الدین رازی نے ارسطو کے مسائل کی حمایت کی اور اسکو زیادہ توضیح سے لکھا، طوسی نے منطقیات اشارات کی جو شرح لکھی ہے، وہ ہمارے دعوی پر بخوبی شاہد ہے، قطب الدین رازی نے بھی شرح مطالع مین یہی انداز اختیار کیا ہے، یہ کتاب مطالع الانوار کی شرح ہے، اور ایک ضخیم جلد مین ہی، لیکن اسکے ساتھ ہی ان لوگون نے منطق کا نہایت ناکمل اختصار کیا، اور بہت سی بحثین نظر انداز کر دین، قطب الدین کی طرح نجم الدین کاتبی نے بھی یہی طرز عمل اختیار کیا، البتہ آٹھوین صدی ہجری مین علامہ ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ نے منطق کی نہایت نمایان خدمت انجام دی، اور ایک ضخیم کتاب "ردمنطق" کے نام سے لکھی، جس مین بہت سے مسائل منطقیہ کی تردید و تصحیح کی،

فنون لطیفہ

(۱)

از مرزا احسان احمد بی اے

فنون لطیفہ کا لفظ ہماری زبان مین اسقدر استعمال پایا ہے کہ کم از کم یہ لطیف الفاظ تو اب ناگوار خاطر ہو چکے ہین، تاہم اصل حقیقت ہنوز مستور ہے، اور اُردو مین ابتک ان فنون کی ماہیت اور تاریخ پر کوئی محقق مضمون شائع نہ ہوا، ہمارے دوست کی اس سلسلہ مین پہلی کوشش ہے، والفضل للمتقدم

فنون لطیفہ ان انسانی فنون مین سے ہین، جنکا اصلی سرچشمہ انسان کے دل کی وہ تحریک اور امنگ ہے جسکے نتائج عمل سے اسکو کوئی مادی فایدہ نہین، بلکہ صرف ایک خاص قسم کا روحانی حظ حاصل ہوتا ہی، قدیم زمانہ مین فنون لطیفہ نے کو کچھ کم ترقی نہین کی، تاہم علمی حیثیت سے وہ مدون نہ تھے، لیکن زمانہ حال کی ترقیون نے اب اُنکو مستحکم اور پائدار استقلال بخشدیا ہی،

فنون لطیفہ کی حقیقت سمجھنے کے لیے سب سے پہلے خود فن کی حقیقت جاننی چاہیئے۔

علم اور فن کا فرق انگریزی مین دو لفظ ہین، سائنس اینڈ آرٹ، اسی کے مقابل ہمارے ہان بھی دو لفظ ہین، علم اور فن، علم اور فن کا باہمی فرق بتانا مشکل ہے، لیکن یہ بظاہر نظر آتا ہی کہ ان دونون کی حقیقت متعدد امور مین باہم ممتاز ہے، "علم" انسان کی تحقیق و کاوش اور بار بار کے دماغی غور و فکر اور عملی تجربہ کا نتیجہ ہی، "فن" انسان کے جذبات حسن پرستی اور لذت طلبی کا ردعمل ہے،

"علم" انسان کے دماغ اور عقل سے داد طلب ہے، لیکن "فن" دل اور دل کے جذبات کو مانگتا ہی،

"علم" کا مقصد انسان کے مشکلات کا حل اور اُسکی ضرورتون کی تکمیل ہی لیکن فن صرف انسانکی خوشی و مسرت کا سامان ہے،

فنون لطیفہ انگریزی مین آرٹس (فنون) کی دو قسمین ہین، یوزفل آرٹس، (فنون نافعہ) اور

فائن آرٹس (فنون لطیفہ) ہم نے علم وفن کے درمیان جو امتیازات قائم کئے ہین ہمکن ہی فنون نافعہ پر وہ براہ راست صادق آئین، لیکن حقیقت یہ ہے کہ علم وفن کا باہمی فرق وامتیاز اس سے آسان تر صورت مین دکھلایا بھی نہین جاسکتا۔

فنون لطیفہ کی جلی تقسیمات عموماً پانچ شمار کیجاتی ہین، تعمیر، سنگتراشی، مصوری، موسیقی، اور شاعری، انکے علاوہ ڈراما اور رقص وغیرہ بھی ان فنون مین داخل سمجھے جاتے ہین،

مضمون نگار نے اس مضمون کو تین ٹکڑون پر منقسم کیا ہے، (۱) فنون لطیفہ کی حقیقت پر ایک تبصرہ، (۲) فنون لطیفہ کی ایک ایک شاخ پر بحث (۳) انکی تدریجی ارتقائی تاریخ۔

فنون لطیفہ کی حقیقت پر ایک تبصرہ

حظائظ فنون لطیفہ

ہر فن لطیف سے دو قسم کی خوشی حاصل ہوتی ہے، علمی اور غیر علمی، علمی خوشی اُس شخص کو ہوتی ہے جو خود اس فن کا عامل ہوتا ہے، مثلاً معمار جب ایک عمارت بناتا ہے تو اسکو ایک خاص قسم کی اندرونی فرحت ہوتی ہے، اور غیر علمی خوشی اسکو ہوتی ہی جو محض اس فن کے نتائج کا نظارہ کرتا ہے، اس سے یہ ظاہر ہے کہ انسانی سوسائٹیون مین دو گروہ موجود ہین، ایک فنون لطیفہ کو علمی صورت مین پیش کرتا ہے، اور دوسرا گروہ محض اس سے لطف اُٹھاتا ہے،

ترقی یافتہ سوسائٹیون مین بیشک ایسا ہی ہے، یعنی ایک بناتا ہے اور دوسرا دیکھتا ہے لیکن قدیم ترین زمانہ مین یہ حالت نہ تھی، اسوقت یہ دو مختلف گروہ مشکل سے موجود تھے، اس زمانہ کے مصورون کو اسکی کچھ پروا نہ تھی کہ انکی نقش آرائیون کا کوئی نظارہ کرنے والا بھی ہے؟ مغنیون کو اسکا کچھ خیال نہ تھا کہ انکی بانسری کے نغمہ کا کوئی لطف اُٹھانے والا بھی ہے؟

ایکٹرون کو اس سے کچھ مطلب نہ تھا کہ انکا کوئی سُننے والا بھی ہے؟ غرضکہ فنون لطیفہ کا اثر انھین تک محدود تھا، جو اس پر عمل کرتے تھے، کوئی ایسا مستقل گروہ موجود نہ تھا جسکا کام محض فنون لطیفہ سے لطف اُٹھانا ہو، ترقی تمدن کے ساتھ دو مختلف گروہ رفتہ رفتہ پیدا ہو گئے، ایک علمی اور دوسرا غیر علمی، اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ علمی گروہ اس لطف سے جو اورون کو دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے، بالکل محروم رہجاتا ہے، معمار، سنگتراش، مصور وغیرہ سب اپنے نتائج عمل سے اتنا ہی لطف اُٹھاتے ہین، جتنا کہ عوام، مغنی خود ساز چھیڑتے وقت قابو سے باہر ہو جاتا ہی، شاعر خود اپنے اشعار پر جھومنے لگتا ہے، مصور خود اپنے نقش ونگار مین محو ہو جاتا ہی، سنگتراش خود اپنی خراش وتراش پر وجد کرنے لگتا ہے، معمار اپنی پچی کاریون اور گلکاریون کا دلفریب سمان دیکھکر باغ باغ ہو جاتا ہے،

حظائظ فنون لطیفہ بے غرضانہ ہوتے ہین

جو خصوصیات عام طور پر فنون لطیفہ کی طرف منسوب کیجاتی ہین، ان سب کی اصلی بنیاد محض اس خیال پر ہے کہ فنون لطیفہ کو انسان کی علمی ضروریات اور فوائد سے کوئی تعلق نہین، ارسطو کے زمانہ کا خیال ہے کہ حظائظ فنون لطیفہ دوسری قسم کے حظائظ سے بالکل مختلف ہوتے ہین، کیونکہ وہ بے غرضانہ ہوتے ہین، نہ تو انسے انسان کے جسم کی پرورش ہوتی ہے اور نہ انسے اسکی دولت مین اضافہ ہو سکتا ہے، نہ انسے اسکی علمی ضروریات رفع ہو سکتی ہین، نہ انسے کوئی ایک شخص مخصوص طور پر لطف اٹھا سکتا ہی۔

یہ ظاہر ہے کہ ایک خوبصورت عمارت محض ایک ذات واحد کے لئے مخصوص نہین کیجا سکتی، بلکہ اسکے حسن اور نقش ونگار کا ہر شخص تماشائی ہو سکتا ہے، ایک دلفریب تصویر یا مجسمہ کی نسبت بھی یہی کہا جا سکتا ہے، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر ایک شخص نے ایک عمدہ تصویر بنائی اور اسکو محض اپنے قبضہ مین رکھنا چاہتا ہے، تو اسکا یہ طرز عمل جو محض ذاتی

تفاخر پر مبنی ہے، فنون لطیفہ کے حظائظ سے بالکل جداگانہ ہے، فن موسیقی سے بھی ہمکو لطف اُٹھانے کا حق حاصل ہے، شاعری اسواسطے کیجاتی ہے کہ وہ تمام لوگ جو شاعر کے جذبات و خیالات سے دلچسپی رکھتے ہین، اور زبان کی فصاحت و بلاغت کو سمجھ سکتے ہین پڑہین اور حظ اُٹھائین،

حظائظ فنون لطیفہ کے علاوہ اور بھی حظائظ ہین جو بالکل اُنکے مشابہ ہین، لیکن تاہم فنون لطیفہ مین داخل نہین ہین، اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ حظائظ حقیقتاً بے غرضانہ نہین ہین مثلاً قوت باصرہ اور قوت سامعہ کی طرح قوائے شامہ اور ذائقہ مین بھی ایک خاص قسم کا نفسانی حظ موجود ہے، اگر ان قوتون کو باہم ترکیب و ترتیب دیکر کوئی فن بنالیا جائے تو اسکو فنون لطیفہ کے تحت مین داخل نہ کرنیکی کیا وجہ ہے؟ صورت، رنگ، اور آواز سے جس طرح مستقل فنون بنائے گئے ہین، اسی طرح ذائقہ اور خوشبو وغیرہ کا کوئی مستقل فن کیون نہین ترتیب دیا گیا؟

اس سوال کا عام طور پر یہ جواب دیا جاتا ہے کہ قوت باصرہ اور قوت سامعہ قوائے دماغی ہونے کی وجہ سے قوائے رئیسہ مین شمار کئے جاتے ہین، اُنکے ذریعہ سے تمام علوم اور خارجی اشیاء کے تخیل تک ہماری رسائی ہوتی ہے، بخلاف اسکے ذائقہ اور شامہ غیر دماغی ہونیکی وجہ سے ادنیٰ درجہ کے قوے خیال کئے جاتے ہین، جن سے ہمکو تحصیل علم اور خیالات کے قائم کرنے مین بہت کم مدد ملتی ہے، لیکن اس سے زیادہ تشفی بخش جواب یہ ہے کہ ان قوتون سے محض ذاتی حظ حاصل ہوتا ہے! اسلئے ہم ایسے اصول منضبط نہین کر سکتے جن سے ہر شخص مستفید ہو سکے، حظائظ ذائقہ فنون لطیفہ کے حظائظ نہین قرار پا سکتے کیونکہ انکا تعلق انسان کی بہت اہم مادی ضروریات سے ہے یعنی خورد و نوش، یہی حال عشق کے حظائظ کا بھی ہے، کیونکہ اقلیم فن مین عشق کا کوئی دخل نہین ہے، بلکہ اسکا اصلی جلوہ گاہ انسانی فطرت

اور زندگی ہے، جہان یہ اپنی اصلی صورت مین نمودار ہوتا ہے، اب یہ امر صاف طور پر طے ہوگیا کہ وہ حظائظ جنمین خود غرضی اور ذاتی فوائد کا شائبہ ہوتا ہے، فنون لطیفہ کے دائرہ سے خارج ہین، فنون لطیفہ کے حظائظ ذاتی اغراض و مفاد سے بالکل آزاد و بے نیاز ہوتے ہین۔

فنون لطیفہ قوانین سے بالکل آزاد ہین

دوسرے فنون مین کمال پیدا کرنیکے لئے اصول و آئین کی پابندی نہایت ضروری ہے، لیکن فنون لطیفہ مین قوانین پر عمل کرنے سے بہت کم کامیابی کی امید ہو سکتی ہے، بلاشبہہ صناع کیلئے ان چیزون کا جاننا ضروری ہے، جنکا انحصار اصول، علم، اور مشق پر ہے، لیکن اسکا اصلی جوہر جسکی بنا پر وہ ایوان تمدن مین نقش آرائیان کرتا ہے، اسکی فطری طباعی اور زبردست تخیل ہے، حقیقت یہ ہیکہ فنون لطیفہ مین وہی شخص کمال پیدا کر سکتا ہے، جسکی فطرت مین ایک خاص قسم کا مذاق خدانے ودلیعت کیا ہی، اسکو اصول و آئین کے پابندی کی کوئی ضرورت نہین، بلکہ اسکے خود دل و دماغ مین خداداد قابلیت موجود ہے، جسکے نتائج عمل کی درخشندگی دنیا کی نگاہون مین خیرگی پیدا کردیتی ہے، مثلاً شاعری کو لو، یہ مسلّم ہیکہ شاعری کوئی اکتسابی چیز نہین ہے، بلکہ یہ ایک عطیۂ قدرت ہے، ایک شخص فن عروض کو سامنے رکھکر شاعری کرتا ہے، اور دوسرا صحیفۂ قدرت پڑھکر شاعر بنتا ہے، دونون کو ایک دوسرے سے کیا نسبت؟

یہی حال فن موسیقی کا ہے، ایک شخص اپنی نغمہ سنجیون سے تمام زمین و آسمان کو مسخر کرلیتا ہے، کیا اسکا یہ حیرت انگیز کمال محض اصول و قواعد پر مبنی ہے؟ بیشک اُس نے فن موسیقی کے مہمات اصول کا مطالعہ کیا ہے، لیکن اسکا اصلی سرمایۂ ناز اسکی دلفریب آواز ہے جسکے مختلف سرون کو مختلف طریقہ پر ترکیب دیکر دلکش نغمے پیدا کرتا ہے، غرضکہ فنون لطیفہ مین بہ نسبت اور فنون کے بہت زیادہ آزادی حاصل ہے، اُسکی اصلی وجہ یہ ہے کہ اُسکے کوئی

متعین مقاصد و اغراض نہین ہوتے، کیونکہ وہ انسان کے مادی ضروریات سے کوئی تعلق نہین رکھتے،

دوسرے فنون مثلاً زراعت کو دیکھو اس مین ہر ہر قدم پر اصول و قواعد کی پابندی ضروری ہے، کیونکہ اسکا ایک خاص متعین مقصد ہے، یعنی انسان کی مادی ضروریات کا رفع کرنا، ایک کاشتکار کے سامنے چند متعین مسئلے ہوتے ہین، جنکا اصول کے مطابق حل کرنا اسکا فرض ہے، اور اگر موجودہ اصول و قواعد کو چھوڑ کر وہ نئی ترکیبون اور ایجادات سے کام لینا چاہتا ہے، تب بھی اُسکا مقصد یہی ہوتا ہے کہ وہ مسئلے جو اُسکے پیش نظر ہین، زیادہ خوبی کے ساتھ حل کئے جائین، بخلاف اسکے صناع اپنا سوال خود پیدا کرتا ہے، اور اُسکو مختلف طریقون سے حل کرنیکی کوشش کرتا ہے، اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ فنون لطیفہ مین کامل آزادی ہوتی ہے، نہین، بلکہ معمار، سنگتراش، مصور، مغنی، اور شاعر سب کو کچھ نہ کچھ اصول کی پابندی ضرور ہے، لیکن ہم جیسا اوپر کہہ آئے ہین، انکے کمالات کا اصلی سرچشمہ وہ طباعی اور تخیل ہے جو محض عطیۂ قدرت ہے نہ کہ نتیجۂ اکتساب۔

فنون لطیفہ اور آلات

اس سلسلہ مین یہ سوال خود بخود پیدا ہوتا ہے کہ فن آلات کی وسعت اور ترقی نے کس طرح فنون لطیفہ پر اثر ڈالا، موجودہ دنیا کی سب سے بڑی علمی تحریک میکینکل ایجادات کی ترقی ہے، جس حد تک ان ایجادات سے امور ضروریہ مین کام لیا جاتا ہے، اور ان مین تفنن طبع کا کوئی شائبہ نہین ہوتا، اس حد تک ہمارے موضوع سے ان ایجادات کو کوئی تعلق نہین، لیکن بہت سی ایسی چیزین ہین جنکو خوشنما بنانے کے لئے مشین سے کام لیا گیا ہے، مثلاً قالین اور پردے وغیرہ جو میکینکل آرٹ کے نتائج ہین، لیکن جسپر نقش آرائیان کرنیکے لئے فنون لطیفہ سے مدد لیجاتی ہے، لہذا جس حد تک صناع اپنے نقش و نگار مین مشینون سے

کام لیتا ہے، اسی حد تک فنون لطیفہ کا اطلاق اُن پر ہو سکتا ہے، دوسرے الفاظ مین مشین محض صناع کی معین و مددگار رہے،

کیا مکمل مشینین فنون لطیفہ کہی جا سکتی ہین

کیا وہ شخص جو زمانہ جدید کے موافق نہایت مکمل اور حیرت انگیز مشینین ایجاد کرتا ہے، صناع کا خطاب نہین پا سکتا؟ کیا وہ صناع کی طرح اپنے تخیل اور طباعی، اور قوائے دماغیہ سے کام نہین لیتا؟ کیا اسکی ایجادات جو بہر حیثیت سے مکمل اور موزون ہوتی ہین، فنون لطیفہ کے تحت مین داخل نہین کیجا سکتین؟ اسکا جواب یہ ہی کہ موجد کے پیش نظر ایک متعین علمی مقصد ہوتا ہے جسکو پورا کرنیکے لئے وہ مشینین ایجاد کرتا ہے، صناع کی طرح اسکا تخیل کوئی آزاد تخیل نہین ہوتا، بلاشبہہ اسکے حیرت انگیز ایجادات پر صدائے آفرین بلند کیجا سکتی ہے، لیکن وہ فنون لطیفہ کا آزاد پیرو کبھی نہین کہا جا سکتا،

فنون لطیفہ ایک قسم کی تفریح طبع کا سامان خیال کئے جاتے ہین

یہ کہا جاتا ہے کہ فنون لطیفہ وجود مین اسواسطے نہین لائے گئے کہ دنیا کو انکی ضرورت تھی، بلکہ اسلئے کہ انسان کو انسے ایک قسم کی نفسانی خوشی حاصل ہوتی ہے، بنی نوع انسان کے لئے فنون لطیفہ ویسا ہی ہین، جیسا کہ نقالی ایک فرد واحد کے لئے، فنون لطیفہ کی اس خصوصیت پر یعنی اُسکا مطمح نظر محض تفنن طبع ہے، زور دینا حقیقت مین اس خاص فرق کا اعادہ کرنا ہے جو ہم فنون لطیفہ اور فنون ضروریہ کے مابین اُوپر دکھا چکے ہین، لیکن یہ فرق مختلف صورتون مین دکھایا گیا ہے اور اسکی خصوصیتون اور نتائج کے متعلق مختلف رائین قائم کیگئی ہین، جو حسب ذیل ہین،

افلاطون کی رائے

افلاطون کا خیال ہے کہ اشیاء کے معمولی حقائق اصل مین حقائق نہین ہین، بلکہ ان خاص صُور کا عکس ہین، جنکا تخیل انسان کے دماغ مین موجود ہے، اس بنا پر وہ کہتا ہی کہ نتائج فنون لطیفہ محض عکس کا عکس ہین، فن طبابت، زراعت، فن کفش دوزی وغیرہ کو

فنون لطیفہ سے بلند تر سمجھا تاہے، کیونکہ انسے انسان اپنی روزانہ زندگی کے ضروریات کو
رفع کرنے مین معتد بہ فائدہ اُٹھاتا ہے، برخلاف اسکے فنون لطیفہ کے ذریعہ سے کوئی کارآمد
چیز وجود مین نہین آتی، انکی تمامتر بنیاد تخییل پر ہے،

اسکلر کی رائے

اسکلر نے جو زمانۂ حال کا شاعر ہے، فنون لطیفہ کی اس خصوصیت پر نہایت نکتہ سنجی کے
ساتھ بحث کی ہے، وہ کہتا ہے کہ انسانی روح دو دنیا کے درمیان واقع ہوئی ہے، عالم جسمانی
یا عالم احساسات، اور عالم اخلاق یا عالم عمل، یہ دونون عالم باہم کشمکش مین ہر وقت مبتلا رہتے ہین
جسمانی دنیا مین انسان خارجی کشمکش اور اثر کو قبول کرتا ہے، اور اخلاقی دنیا مین اندرونی اثر کو
جب تک کہ وہ خواہشات نفسانی کے سامنے سر جھکاتا ہے، اسوقت تک وہ بالکل پابزنجیر
اور بے حس وحرکت رہتا ہے، اور ہر وقت خارجی اثرات کا غلام بنا رہتا ہے، لیکن جب اسکی
قوت عمل حرکت مین آتی ہے، اور وہ خارجی اشیاء اور اپنے نفس پر اخلاقی حکومت کا سکہ
جمالیتا ہے، تو وہ قدرت کا غلام نہین، بلکہ آقا نظر آتا ہے، اور بالکل آزاد اور سراپا عمل ہوجاتا ہے
اس بنا پر انسان کی فطرت کے اندر دو مخالفانہ جذبات پائے جاتے ہین، جو اسکو زندگی کے
مختلف شاہراہون کی طرف کھینچتے ہین، نفسانی جذبہ انسان کی روح کو مادہ کا بالکل غلام
بنا دیتا ہے، اور دوسرا یعنی اخلاقی جذبہ سلطنت روحانی کی عنان اسکے ہاتھون مین سپرد کردیتا ہے
ان دونون جذبات کے مابین جو جنگ ہر وقت چھڑی رہتی ہے، وہ بادی النظر مین ایک
مستقل جنگ معلوم ہوتی ہے، ایک سلطنت دوسری سلطنت پر غلبہ حاصل کرنے کیلئے
ہمیشہ برسرپیکار رہتی ہے،

جذبۂ حیوانیت قوانین اخلاق اور قوتِ عمل کو مٹا کر خود سر بننا چاہتا ہے، اور قوائے
اخلاقیہ کا یہ منشا رہتا ہے کہ نفسانیت سے انسانی فطرت بالکل آزاد ہوجائے، ان حالات کے

ساتھ کیا ان دو سلطنتون مین باہم صلح وآشتی کی امید کیجاسکتی ہے؟ کیا کوئی ایسی سرزمین ہے
جہان یہ دونون جنگ آزما فریقین معانقہ کرسکتے ہین؟ بیشک ایک غیر جانبدار سلطنت موجود ہے
جہان یہ دونون سلطنتین یعنی عالم جسمانی اور عالم اخلاق، صلح وامن کے ساتھ رہ سکتی ہین، اور
انسان نہایت آزادی کے ساتھ اپنی تمام قوتون کو عمل مین لاسکتا ہے، لیکن یہ سلطنت عملی
زندگی کے دائرہ سے خارج ہے، اسکا تعلق انسان کی ان سرگرمیون سے ہے، جنکا مقصد نہ فطرت
کی کسی ضرورت کا رفع کرنا ہے، نہ کسی اخلاقی فرض کا انجام دینا، بلکہ جنکی بنیاد محض تفنن طبع پر ہے
ہمکو کامل آزادی حاصل ہے کہ جس طرح چاہین ہم اپنے تفنن طبع کے لئے سامان بہم پہونچا
سکتے ہین، اور کسی نقصان کا احتمال نہین ہوسکتا، یہین انسان کی تمام قوتین بلا باہمی تصادم
خطرہ کے منظر عام پر لائی جاسکتی ہین، اور ایسے پیرائے اختیار کئے جاسکتے ہین جن سے انسانکی
قوتِ احساس اور قوتِ عمل دونونکو کامل خوشی اور آسودگی حاصل ہو، پہلے مین مادہ کو جس
صورت مین چاہو ڈھال دو، دونون مین کوئی کشمکش یا تصادم پیدا نہین ہوسکتا، جب یہ دونون
سلطنتین یعنی مادہ اور رُوح، باہم متفق اور متحد ہوجاتی ہین، اور یہ حسن کی سلطنت وجود مین آتی ہے
اور اسکی سرگرمیون کا نام فنون لطیفہ ہے، انسان کی فطرت مین خدا نے شیفتگی حسن کا ایک جذبہ
ودیعت کیا ہے، یعنی وہ خوبصورت اشیاء کو جن سے محض ایک روحانی حظ حاصل ہوتا ہے
بالطبع پسند کرتا ہے، اور جو فنون اس جذبہ کے اقتضا سے وجود مین آتے ہین، وہ سب فنون
لطیفہ کے تحت مین داخل ہین، اسکلر کہتا ہے کہ "انسان اس سلطنت مین اگر تمام جسمانی ضروریات
اور اخلاقی بندشون سے بالکل آزاد اور بے نیاز ہوجاتا ہے"۔

باب التربیۃ والتعلیم

التربیۃ الاستقلالیہ

فن تعلیم وتربیت کے کچھ اسباق

(۲)

بچون کی تربیت وتعلیم اگرچہ عموماً ساتھ ساتھ ہوتی ہے، لیکن درحقیقت دونون کا مفہوم، دونون کا زمانہ، اور دونون کے طریقے مختلف ہین، تربیت کی داغ بیل استقرار حمل ہی کے ساتھ پڑجاتی ہے، اور یہی بیج ہوتا ہے جو لڑکے کے سن وسال کی ترقی کے ساتھ پھوٹتا ہے، بڑھتا ہے، نشو ونما پاتا ہے، اور بالآخر زمانۂ شباب مین بارآور ہوتا ہے، اور پھر بڑہاپے تک اسپر خزان نہین آتی، تعلیم کا زمانہ اسکے بعد شروع ہوتا ہے، اور تعلیم کے نتائج کا دارومدار زیادہ تر بچپن کی تربیت ہی پر ہوتا ہے، اسلئے تربیت اصل، اور تعلیم اسکی فرع ہے، مصنف نے تربیت کے اسی تقدم ذاتی وزمانی کی بنا پر اسکو مقدم رکھا ہے، تعلیم پر اسکے بعد بحث کی ہے ہم بھی اسی ترتیب کے ساتھ ان دونون اجزا پر الگ الگ بحث کرتے ہین،

محافظت زمانۂ حمل مختلف تجربون سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانۂ حمل کی بے احتیاطیون کا نتیجہ بچے کی مادّی حالت پر نہایت مضر طریقے سے پڑتا ہے، فرانس کی ایک رقاصہ لیڈی نے حالت حمل مین بھی زمانۂ وضع تک اس مشغلہ کو جاری رکھا، نتیجہ یہ ہوا کہ جب لڑکی پیدا ہوئی تو گو وہ اپنے ساتھ ہر قسم کا سرمایۂ حسن وجمال لائی، لیکن مان کی بے احتیاطیون کے اثر سے بیٹھ کبڑی تھی، لیکن اس سے زیادہ دردانگیز مصیبت یہ ہے کہ ان بے پروائیون سے صرف بچے کی جسمانی ساخت کو صدمہ نہین پھونچتا بلکہ اسکی حالت بھی شدت کے ساتھ متاثر ہوتی ہے

اور یہ اثر تادم مرگ بھی زائل نہین ہوتا، انگلستان کا مشہور حکیم ٹامس ہوب نہایت بزدل تھا اور اپنی بزدلی کی یہ وجہ بیان کرتا تھا کہ جسوقت وہ مان کے پیٹ مین تھا، اسپین کی ایک غارتگر جماعت سواحل انگلستان کے گرد چکر لگایا کرتی تھی، جسکی وجہ سے انگلستان کے باشندے نہایت خوف زدہ رہا کرتے تھے، خوف کا یہی اثر تھا جو مان کے ذریعہ سے اسکی رگ وپے مین سرایت کرگیا،

انگلستان کا بادشاہ یعقوب ثانی اسقدر ضعیف القلب تھا کہ برہنہ تلوار کو دیکھکر اسکا چہرہ زرد پڑجاتا تھا، لیکن اس بزدلی کا سبب صرف یہ تھا کہ جسوقت وہ مان کے پیٹ مین تھا اسکی مان سخت مصیبت مین تھی، اس بنا پر اگر تربیت کا سنگ بنیاد رکھنا اور اسپر ایک بلند منارہ قائم کرنا ہے تو مان کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ استقرار حمل کے ساتھ ہی اپنے آپ کو ایک آئینے کا غلاف سمجھے، اور اس نازک شیشے کو ہر قسم کی ٹھیس سے محفوظ رکھے، لیکن اس حالت مین آئینہ سے زیادہ خود غلاف کی حفاظت کی ضرورت ہے، اس زمانہ مین عورت کو ہر قسم کے اعمال شاقہ سے جنکا اثر جسم واعصاب پر پڑسکتا ہے، احتراز کرنا چاہیئے، اور نہایت خاموش اور سکون واطمینان کی زندگی بسر کرنی چاہیئے، اور یہ زندگی شہر کے شور وشغب سے دور صرف دیہاتون ہی مین بسر ہوسکتی ہے، دیہات کی آب وہوا کا جو مفید اثر عموماً صحت پر پڑتا ہے، وہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، لیکن حالتِ حمل مین وہ خاص طور پر عورتون کو، اور عورتون سے زیادہ بچون کو راس آتی ہے، اگر ایک دیہاتی اور ایک شہری بچے کا باہم موازنہ کیا جائے تو جسمانی حالت کے لحاظ سے دونون مین محسوس فرق نظر آئیگا، عقلی حیثیت سے بے شبہہ وہ شہری بچے کا مقابلہ نہین کرسکیگا، اور جو لوگ دیہاتی زندگی پر شہری زندگی کو ترجیح دیتے ہین، انکو صرف یہ خیال تسکین دیتا ہے کہ

شہر مین اگرچہ بچے کا جسم کامل طور پر نشو و نما نہین پاتا، لیکن فطرت اس کمی کی تلافی دوسرے طریقے سے کردیتی ہے، یعنی دماغی قوت بچے کے جسمانی ضعف کا پورا معاوضہ ہوجاتا ہے، لیکن درحقیقت یہ ایک عظیم الشان غلطی ہے، ہمکو بچے کی تربیت مین ہمیشہ اس امر کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ اسکے قواے فطریہ کی نشو و نما ہو، اور بالکل اصول فطرت کے موافق ہو، بچہ پیدا ہوتا ہے تو اپنے ساتھ فطری عقل کا سرمایہ ساتھ لیکر آتا ہے، انسان کی سعادت یہ ہی کہ اس طبعی عقل کو درجۂ کمال تک پھونچائے، لیکن شہر کی مصنوعی آب و ہوا، مصنوعی ذرائع تعلیم و تربیت اور مصنوعی مؤثرات قبل از وقت اسکے دماغی قوا کو ترقی دیدیتے ہین، اسلئے وہ زمانۂ شباب کے آنے سے پہلے ہی جوان ہوجاتا ہے، اسطور پر مان باپ کی تمنائین اگرچہ بہت جلد پوری ہوجاتی ہین، لیکن اگر وہ لوگ اصول فطرت سے واقف ہوتے تو انکو نظر آتا کہ بچے کی دماغی ترقی و نشو و نما مین جو درجہ مطلوب تہا وہ حاصل نہین ہوا، انھون نے مصنوعی آب و ہوا کے ذریعہ سے ایک پودے کو قبل از وقت بار آور تو کرلیا، لیکن جب فصل کا اصل زمانہ آئیگا تو انکا موسم بہار گذر چکا ہوگا -

جسمانی پابندیون کے ساتھ عورت کو زمانۂ حمل مین اپنے قلب و دماغ کو بھی ہمیشہ انبساط روحانی سے لبریز رکھنا چاہیئے، اس قسم کے قصون اور ناولون سے جو دل مین ہیجان اور تشویش انگیز خیالات پیدا کرتے ہین، خاص طور پر احتیاط کرنی چاہیئے، اور لطف انگیز مناظر سے طبعی مسرت حاصل کرنے کا سامان مہیا کرنے چاہئین، یونانی زمانۂ حمل مین عورتون کے سامنے نشاط انگیز تصویرین رکھتے تھے جسکا نہایت عمدہ اثر عورتونکی روحانی حالت پر پڑتا تہا، قدرت نے خود انسان کی مسرت کیلئے ہر جگہ کافی سامان مہیا کردیئے ہین، گل و ریحان، سبزۂ و مرغزار، کوہ و بیابان، یہ تمام چیزین اپنے اندر انسانکی دلچسپیون کا بے انتہا سرمایہ رکھتی ہین، عورتین

زمانۂ حمل مین قدرتی طور پر مضمحل، پژمردہ اور فاتر العقل ہوجاتی ہین، جسکا اثر انکے ساتھ جنین پر بھی لازمی طور پر پڑتا ہے، لیکن اگر وہ تفریحًا ان مناظر طبعیہ سے متمتع ہون تو اس سے حامل و محمول دونون کے اعصاب مین ایک نشاط انگیز تموج پیدا ہوتا رہیگا،

زمانۂ تربیت کی تحدید

اگرچہ تصریحات متذکرۂ بالا سے ثابت ہوا ہوگا کہ بچے کی تربیت کا زمانہ استقرار حمل ہی کے ساتھ شروع ہوجاتا ہے، لیکن اصطلاحًا تربیت کی ابتدا اسوقت سے ہوتی ہے، جب بچہ کتم عدم سے نکل کر منصۂ وجود پر قدم رکھتا ہے، اسلئے ہمکو تربیت سے پہلے زمانۂ تربیت کی تحدید کرنی چاہیئے،

حقیقت یہ ہے کہ فلسفیانہ حیثیت سے زمانۂ تربیت کی تحدید و تعیُن انسانکی دسترس سے باہر ہے، انسان جو خیالات، جو جذبات، جو احساسات اور جو فطری استعداد لیکر پیدا ہوتا ہے ان مین اکثر موروثی ہوتی ہین، جو باپ سے بیٹے مین بہ تسلسل منتقل ہوکر آتی ہین، وحشی انسان کا لڑکا ہمیشہ وحشی ہوتا ہے، متمدن انسان کے بچے عمومًا متمدن ہوتے ہین، غرض باپ کی بلکہ کل قوم کی جو حالت ہوتی ہے، بچہ اسی کا مظہر ہوتا ہے، اسلئے تربیت مین ان تمام موثرات کی ترقی و نشو و نما کا لحاظ رکھنا لازمی ہے، لیکن یہ اسباب اسقدر قدیم، عام، متعدد اور وسیع ہین کہ انسان انکا احاطہ نہین کرسکتا، اِسلئے ان اسباب کے علاوہ بعض طبعی اسباب مثلاً یہ کہ مرد و عورت کے سن و سال کا، صحت کا، غذا اور طریقۂ معاشرت کا اولاد پر کیا اثر پڑتا ہی؟ بالکل موروثی اسباب کے مخالف ہین، موروثی موثرات کے نتائج مین کسی قسم کا تغیر نہین ہوسکتا، لیکن ان اسباب کے اثرات ہمیشہ بدلتے رہتے ہین، ایک شخص کے دو بچے ہین ایک زمانۂ شباب مین اور دوسرا زمانۂ پیری مین پیدا ہوا ہے، اگر یہ ثابت ہوجائے کہ باپ کی عمر کا اثر ان بچونکی قواے فطریہ پر مختلف پڑا ہے تو دونون کا طریقۂ تربیت مختلف ہوگا

اس تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ زمانۂ تربیت کی ابتداء و انتہا دونوں کی حقیقی تحدید مشکل بلکہ محال ہے،

تربیت کی تعریف

تربیت کی مجمل تعریف اگرچہ خود لفظ تربیت سے اخذ کیجا سکتی ہے، یہ لفظ "ربا" سے مشتق ہے، جسکے معنی لغت مین زیادتی کے ہین، اس بنا پر انسان کے اندر جو استعداد، جو قوت، اور جو عقل فطرۃً موجود ہے، اسکے ترقی دینے کا نام تربیت ہے،

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی زندگی اول سے آخر تک مادی اور روحانی دونون قسم کے تغیرات و انقلابات کا ایک غیر منقطع سلسلہ ہے جو کبھی ختم نہین ہوتا، ایک شخص آج بچہ ہے، کل جوان ہوا، دو چار روز کے بعد بوڑھا ہو جائیگا، یہ انسانی زندگی کی اجمالی تاریخ ہے، لیکن یہ تاریخ گونان گون انقلابات پر مشتمل ہے، بچہ پیدا ہوتا ہے تو سن کی ترقی کے ساتھ ساتھ اُسکے رنگ مین روپ مین، ڈیل مین، ڈول مین، غرض ایک ایک چیز مین تجدد و تغیر پیدا ہوتا جاتا ہے، اور اسکا سلسلہ تادم مرگ قائم رہتا ہے، یہی حال قوائے نفسانیہ کا بھی ہے، ان مین تدریج ترقی ہوتی ہے، بتدریج انکا ظہور ہوتا ہے، اور بتدریج اُنکے نتائج ظاہر ہوتے ہن، حواس ظاہری مین بچہ سب سے پہلے چکھتا ہے، پھر دیکھتا ہے، پھر سنتا ہے، حواس باطنی مین قوت ممیزہ کو قوت حافظہ پر تقدم ہے، وجدانی قوت فکریہ سے بہت پہلے پیدا ہوتی ہے، غرض انسان کی حقیقی زندگی انہی تدریجی تغیرات سے عبارت ہے، اس بنا پر تربیت کی حقیقی تعریف یہ ہے کہ جس ترتیب کے ساتھ قوائے انسانی کا ظہور ہو اسی ترتیب کے ساتھ اُسکو ترقی دیجائے، اور ہر زمانے کی مناسبت سے مختلف طریقۂ تربیت اختیار کئے جائین، اس تعریف کی بنا پر اگرچہ ترتیب کا زمانہ بچپن اور بڑھاپے دونون کو محیط ہو جاتا ہے، لیکن اصطلاحاً تربیت کے لئے صرف بچپن کے زمانے کو مخصوص کر لیا گیا ہے۔

تربیت کا مقصد

ہر کام کا ایک خاص مقصد ہوتا ہے، اور اسی مقصد کی مناسبت سے اسکے اصول و قواعد مرتب کئے جاتے ہین، ورزش کے اگرچہ مختلف طریقے ہین، لیکن سب کا مقصد صرف یہ ہے کہ اس سے قوائے جسمانی کو نشو و نما حاصل ہو، اس بنا پر تربیت کے اصول کی تعیین و تشخیص سے پہلے ہمکو یہ متعین کر لینا چاہیئے کہ تربیت کا مقصد کیا ہے؟ ہم بچے کو کس قالب مین ڈہالنا چاہتے ہین، اور یہ مقصد کن طریقون سے پورا ہو سکتا ہے؟

مصنف نے اپنے بچے کی تربیت کا مقصد نہایت مختصر الفاظ مین یہ بتایا ہے،

"مین یہ نہین چاہتا کہ میرا بچہ کوئی بڑا آدمی ہو، مین صرف یہ چاہتا ہون کہ وہ آزاد آدمی ہو"

چنانچہ اپنی بیوی کو ایک خط مین لکھتا ہے کہ:

"بچے کی تربیت سے میرا مقصود یہ ہے کہ وہ ایک مستقل طبیعت رکھنے والا انسان ہو کوئی شخص کتنے ہی باکمال ہو لیکن مین اسکے قالب مین اپنے بچے کو ڈہالنا پسند نہین کرتا. مین تمکو ایک واقعہ لکھتا ہون جس سے ثابت ہوگا کہ میرا خیال بالکل صحیح ہے،

مین نے ایک دن ایک شش سالہ بچے کو دیکھا کہ اپنی مان کے ساتھ کسی شخص کی تجہیز و تکفین کر کے آرہا تھا، لوگون کا خیال تھا کہ وہ نہایت ہونہار بچہ ہے، لیکن مین نے دیکھا کہ وہ رو رہا ہے، مین نے اس سے اس گریہ و بکا کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ کوئی سبب نہین مین نے اسوقت اپنی مان کو رومال سے آنسو پونچھتے ہوئے دیکھا، اسلئے مین بھی رو پڑا، مجھکو اسکے اس تقلیدی اثر پذیری پر ہنسی آگئی، سو مین یہ نہین چاہتا کہ میرے بچہ کی انفعالی طاقت اس بچے کی طرح ہو، بلکہ اگر اسکا دل کسی کی مصیبت پر بھر آوے تو یہ رقت قلب حقیقی تاثر و انفعال پر مبنی ہو۔"

اسکے نزدیک والدین کی یہ سب سے بڑی غلطی ہے کہ بچے کو اپنے قالب مین ڈہالنا

چاہتے ہین، بچے کا دماغ آئینہ کی سطح کی طرح بالکل صاف اور سادہ نہین ہوتا، وہ باپ مان کا عکس نہین ہے کہ اُنھی کا قالب اختیار کرلے، بلکہ وہ مستقل نفس رکھتا ہے، مستقل شعور رکھتا ہی، مستقل جذبات رکھتا ہے، مستقل احساسات رکھتا ہے، اور بچپن ہی سے انکا اظہار مختلف طریقون سے کرتا ہے، باپ کو ہنستا ہوا دیکھکر اسکے بہاے نازک پر بھی تبسم کے آثار ظاہر ہوجاتے ہین، باپ سمجھتا ہے کہ یہ محض اسکی نقل وتقلید ہے، لیکن درحقیقت یہ اسکی غلطی ہے، بچہ اسلئے نہین ہنستا کہ اس نے باپ کو ہنستے ہوے دیکھا ہی بلکہ اسلئے کہ وہ باپ سے محبت رکھتا ہے اور محبوب کی مسرت خود ایک مسرت خیز ہے، اِسلئے مربی کا سب سے پہلا فرض یہ ہی کہ بچے کے انداز طبیعت کا پتہ لگاے اور اسکے مطابق اسکے قواے فطریہ کو ترقی دے،

اس قسم کی آزاد تربیت پر صرف یہ اعتراض کیا جاسکتا ہی کہ اگر بچے کو بالکل مطلق العنان چھوڑ دیا جاے، تو خراب اخلاق کی نشوونما بھی اسی آزادی کے ساتھ ہوگی، جس طرح فضائل اخلاق ترقی کرینگے، اسلئے کم ازکم اخلاقی برائیون کے استیصال کے لئے جبری طریقون سے کام لینا پڑیگا لیکن اگر نفسانی اصول کے مطابق بچے کو تربیت دیجاے تو اسکا علاج نہایت آسانی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے، اتنا تو ہر شخص جانتا ہے کہ بچے کو مختلف طریقون سے بہلایا جاسکتا ہے اور یہ طریقہ اسقدر موثر ہے کہ رونے والے بچے کو چند منٹ مین ہنسا سکتے ہین، اسی طریقہ کو اگر وسعت دیجاے تو لڑکون کی بڑی بڑی اخلاقی خرابیان نہایت آسانی کے ساتھ دور کیجاسکتی ہین، انسان جن برائیون کی طرف مائل رہتا ہے، خود اسکے اندر اس سے بچنے کے اسباب ووسائل بھی مخفی رہتے ہین، اب فطرت کے اداشناس کا کام صرف یہ ہے کہ جب ان برائیون کا ظہور ہو تو وہ انکے استیصال مین انھی فطری وسائل سے کام لے، ایک چور ایک تھیٹر مین صرف اسلئے گیا کہ یہان اسکو چوری کا موقع نہایت آسانی کے ساتھ مل سکیگا، لیکن وہ راگ باجے کی آواز سنکر اسقدر بدمست ہوا کہ خود اُسکا مال چوری گیا، اس سے ثابت ہوا کہ وہ فطرۃً موسیقی کا اسقدر شیدائی تھا کہ اگر اس ذوق کو معتدل طریقے سے ترقی دیجاتی تو اسکو چوری کی طرف مائل نہین ہونے دیتا، اس بنا پر بچہ اگر کسی برائی کی طرف مائل ہے تو صرف اس برائی پر نگاہ نہین رکھنی چاہیئے بلکہ یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ فطرۃً وہ اس بُرائی کے علاوہ کن کن چیزون کا ذوق رکھتا ہے، اور ان چیزون سے اُسکی اخلاقی اصلاح مین کیونکر کام لیا جاسکتا ہے،

عبدالسلام ندوی

باب التقریظ والانتقاد

حمزۂ اصفہانی پر ریویو

ایرانی لٹریچر پر عربون کے احسانات

تحریر: جی، کے زیمان پارسی

حمزہ کی کتاب الاصفہان ضائع ہوگئی ہے، لیکن اُسکے مضامین کسی حد تک معلوم ہو سکتے ہین، خود اُس نے کچھ حصہ اپنی تاریخ مین نقل کیا ہے، یاقوت نے اصفہان کے ایک علمی خاندان کے متعلق کچھ معلومات اُس سے حاصل کی ہین، خوش قسمتی سے حمزہ کی ایک دوسری کتاب مجموعۂ امثال ہم تک پھونچی ہے لیکن یہ سخت خراب حالت مین ہے اور اُسکی تصحیح و تحشیہ کرنیکے لئے ایک قابل شخص کی ضرورت ہے، اس کتاب کا بیان کتاب الفہرست مین ہے، اور حاجی خلیفہ نے اسکا عنوان کتاب الامثال والفال لکھا ہے میونچ مین اُسکا پورا مسوّدہ موجود ہے، یہ نہایت نتیجہ خیز واقعہ ہے کہ المیدانی نے جیساکہ اُس زمانہ کی خصوصیت تھی، حمزہ کی اس تصنیف کو تقریبًا بالکل اپنی کتاب مین نقل کردیا ہے

کتاب الفہرست کی سند کی بنا پر ایک دیوان عشقیہ حمزہ کیطرف منسوب کیا جاسکتا ہے، جو زمانہ کے ہاتھون ضائع ہوگیا، غالبًا مسلمان کاتبون کی ان نسلون نے جنمین مذہبی رواداری کم تھی، ان اشعار کو جو متقشفین کے ناگوار خاطر ہوتے تھے، قلم انداز کردیا، حمزہ خواہ ان اشعار کا مصنف رہا ہو یا نہ رہا ہو، لیکن اس مین شبہہ نہین کہ وہ عرب کے عشقیہ لٹریچر سے مذاق رکھتا تھا اور اس فن لطیف کے سرمایہ مین اُس نے جو اضافہ کیا وہ کچھ کم قابلِ قدر نہ تھا عرب کی قدیم شاعری کے متعلق اُسکی خاص کتاب حقیقت مین ابونواس کا ایڈیشن ہے، یہ عجیب

بات ہے کہ گو اُسکے اس ایڈیشن کے مدوّن ہونیکے متعلق شبہہ کرنیکی ہمارے پاس کوئی وجہ نہین ہے، لیکن عربی ماخذون مین اسکا کہین خاص طور پر ذکر نہین ہے،

حمزہ نے ایک مجموعۂ مضامین بزیر عنوان کتاب الرسائل ترتیب دیا تھا، ان مین سے ایک مضمون بیرونی نے نقل کیا ہے، جس مین ان دو خاص نظمون کا بیان ہے جو قدیم ایران کی دو عظیم الشان قومی رسمون یعنی نوروز اور مہرجان پر لکھی گئی تھین، فتح ایران کے بعد بھی ایک زمانہ تک یہ قدیم رسمین اسی شان و شوکت کے ساتھ ادا کیجاتی تھین، اور ان شاندار رسمون کا نہ محض کریمر اور گولڈ زیہر ایسے علماء نے بغور مطالعہ کیا بلکہ بے شمار مغربی سیاحون نے جو وقتًا فوقتًا ایران آتے رہے ہین، غیر معمولی دلچسپی کے ساتھ نظارہ کیا ہے، حمزہ نے ایک کتاب فن زباندانی کے متعلق بھی لکھا تھا، جسکا نام کتاب التنبیہ تھا (اُسکو مسعودی کی تصنیف جسکا یہی نام ہے نہ سمجھنا چاہیئے) یاقوت نے اُسکو کسیقدر طول کے ساتھ نقل کیا ہے، اسمین ایرانیون کی پانچ مختلف زبانون کا تذکرہ ہے یعنی پہلوی، دری، خاص فارسی، زبان خوزستان، اور زبان عراق، گولڈ زیہر کی راے ہے کہ حمزہ نے ایک خاص کتاب لکھی تھی جسکا مقصد ان نقائص کا دکھانا تھا جو جاہل عربون کی بدولت ایرانی مقامات کے نامون مین پیدا ہوگیے تھے، حمزہ نے ایک کتاب قدیم جغرافیائی اسمار کے متعلق لکھی تھی، جسکا ثبوت ان منقولات سے جو ثعالبی کی تصنیف مین محفوظ ہین، اور اُن چند اوراق سے جو خدیو مصر کے کتبخانہ مین موجود ہین، ملتا ہے، چین، اصفہان، ساغستان وغیرہ ایسے نامون کے اشتقاق کے متعلق حمزہ کی تصانیف سے یاقوت کے منقولات گو ہماری نظرون مین طفلانہ اور عامیانہ معلوم ہون، لیکن کم از کم انسے حمزہ یا اُسکی سند کی زبردست تخئیل کا اندازہ ہوتا ہے،

حمزہ بحیثیت ایک عربی مصنف کے

اس زمانہ مین علمی دنیا دو جماعتون مین منقسم تھی، ایک ایران کی قدیم تہذیب کی

حامی تھی، اور دوسری عرب کے تمدن کو فوقیت دیتی تھی، علماء اس امر کی بابت مختلف الراے
ہین، کہ آیا حمزہ کو کس جماعت سے ہمدردی تھی، یعنی ابھی یہ طے نہین ہوا کہ آیا حمزہ علانیہ
شعوبیہ تھا یا نہین، گولڈزہر جسکی تائید براکلمین کرتا ہے، کہتا ہے کہ حمزہ قدیم تہذیب کا
حامی تھا، ڈاکٹر مٹوچ اس راے کی تردید کرتا ہوا کہتا ہے کہ گو حمزہ کبھی اپنی ایرانیت کو بھولتا
نہین، لیکن وہ کبھی متعصبانہ یا غیر معقول طریقہ پر نہ عربون پر ردوقدح کرتا ہے اور نہ ایرانیون کو
بیجا طور پر چمکاتا ہے، حمزہ کی تصانیف مین ہمیشہ اُسکی ایک خاص ذاتی خصوصیت نمایان
رہتی ہے، جہانتک ممکن ہوتا وہ ایرانی معاملات سے معتدبہ اطلاع حاصل کرنے کی
کوشش کرتا، اور وہ اس زمانہ کے مذاق کے موافق ناقدِ فن بھی تھا، لیکن اُسکی تنقید
ذاتیات سے بالکل آزاد ہوتی تھی، ایک طرف وہ عربون اور اُنکے علمی کمالات کی جائز اور
صحیح تعریف کرتا ہے، اور دوسری طرف ایرانیون کو اُنکی کم علمی اور خودبینی پر علانیہ ملامت
کرتا ہے، اُس نے کبھی عربون کی محض اسلیے تعریف نہ کی کہ وہ عرب تھے، اور نہ اُس نے
ایرانیون کی خوشامد کی محض اسلئے کہ وہ ایرانی تھے، ہم چند مثالین پیش کرتے ہین، ملاحظہ ہو،
حمزہ نے خلیل کی جو خالص عربی النسل اور عربی وزن کا موجد تھا، نہایت پُرجوش
الفاظ مین تعریف کی ہے، لیکن واقعات کو مدِ نظر رکھتے ہوے یہ کچھ بہت زیادہ تعریف
نہین ہے، بغیر اس مسئلہ کو چھیڑے ہوئے کہ آیا وہ بُرائیان جو قدیم ایران کیطرف منسوب
کیجاتی تھین، حقیقتاً اس قوم کی خصوصیت تھین یا نہین، ہم یہ کہہ سکتے ہین کہ اگر حمزہ
ایران کا اندھا حامی ہوتا تو وہ کبھی اس بیباکی اور آزادی سے اپنی راے کا اظہار نہ کرتا،
جیسا کہ اُسکے ایک مضمون سے ظاہر ہوتا ہے، حالانکہ یہ مسلّم ہے کہ حمزہ خالص ایرانی النسل
تھا اور اسکو اپنی مادری زبان سے جسکو وہ عربی پر ترجیح دیتا تھا، غیر معمولی دلچسپی تھی، گو

ضروریات زمانہ نے اُسکو حکومت کی زبان مین تصنیف و تالیف کرنے پر مجبور کیا، حمزہ اور اُسکے
ایرانی ہمعصرون اور جانشینون کی حالت صدیون تک ہماری حالت کے بالکل مشابہ رہی،
ہم اپنے عام دنیاوی کاروبار مین انگریزی سے کام لیتے ہین، حالانکہ ہندوستانی ورناکیولر
ہم مین سے اکثر کی مادری زبان ہے، حمزہ نے عربون کی دروغگوئی پر جو طعن و تعریض کی ہے،
اُس سے لوگون نے اسکو شعوبیہ ثابت کرنے مین ضرورت سے زیادہ کام لیا ہے، لیکن جب
ہم ان واقعات پر نظر ڈالتے ہین جنکی بنا پر حمزہ نے عربون پر حملہ کیا تھا تو یہ نتیجہ نکالنا کہ حمزہ کو
عربون سے بحیثیت ایک قوم کے نفرت اور دشمنی تھی، مشکل ہوجاتا ہے، ایک عربی مثل آکل
من لقمان العدی (یعنی لقمان العدی سے زیادہ کھانیوالا) کی نسبت حمزہ کہتا ہے کہ "لقمان العدی
کھانے اور ناشتہ پر ایک پورا اونٹ کھاجاتا تھا، یہ عرب کی دروغگوئیون مین شامل ہے"،
شاید اُسکی اصلی توجیہ یہ ہے کہ عرب سے مراد یہان بدوی ہین جنکو متمدن عرب وحشی خیال
کرتے ہین، میدانی نے اس واقعہ کو مع ایک دوسرے واقعہ کے نقل کیا ہے، یہ واقعات
حمزہ کی مخالفت کے ثبوت مین پیش نہین کئے جاسکتے، یہ محض اسکی آزادانہ تحقیقات کے
نتیجے ہین۔

ہمارے لئے سب سے زیادہ دلچسپ حمزہ کا وہ ریمارک ہے جو اس نے اپنی
تاریخ مین ایرانیون کے مذہبی صحیفہ کے متعلق کیا ہے، جسکا نام وہ الابستا بتلاتا ہے، اور جسکا ذکر
محض تفنن طبع کے لئے کرتا ہے، وہ باب کے آخر مین نہایت واضح طور پر یہ بیان کرتا ہے کہ
"میرا مطلب اس ابستا سے ہے جو محض اوستا کا معرّب ہے تاکہ ناظرین اُسکے افسانہ ہونیکی
حیثیت کو محسوس کرسکین"، حمزہ کے نزدیک اوستا کی اتنی ہی وقعت ہی جتنا کہ لقمان
العدی اور بنی اسرائیل کے قصونکی، اس سے صاف ظاہر ہے کہ حمزہ کو جاہے ایران سے

کتنی ہی ہمدردی ہو، لیکن وہ کبھی انصاف اور حق پرستی کے دائرہ سے ذرہ برابر تجاوز نہ ہوتا تھا اس بنا پر وہ جو کچھ قدیم ایران کے متعلق لکھتا ہے، نہایت دقیق اور قابل قدر ہے، ہمکو اسکی راے پر بحث کرنیکی ضرورت نہین، ہمکو صحیح معلوم نہین کہ اوستا کا کونسا حصہ حمزہ کی نظر سے گذرا تھا، یہ بھی نہین معلوم کہ آیا یہ اصل عبارت تھی یا محض حاشیہ، اس مین بھی شبہہ ہے کہ آیا اسکو جو ملا تھا وہ اصل کتاب اوستا تھی یا اسکا کوئی صحیح حصہ تھا، اگرچہ وہ خود کہتا ہے کہ مین نے اوستا کا محض ایک ترجمہ دیکھا ہے قرأت فی کتاب نُقل من کتابھم المسمی بالابستا (یعنی مین نے ایک کتاب بزیر عنوان اوستا جو انکی کتابون سے ترجمہ کیگئی تھی، پڑھی ہے،"

حمزہ نے کتاب الامثال مین اٹھارہ سو عربی مقولونکی شرح اور اسکے ایک ضمیمہ مین پانسو عربی الفاظ پر محققانہ بحث کی ہے، یہ مقولے علم تشریح کے جاننے والون کیلئے نہایت مفید اور دلچسپ ہین، عربون نے بیشمار حیوانات کی فطرت اور انکی خصوصیتون کو بغور مطالعہ کیا حمزہ کہتا ہے کہ عربونکی طرح ایرانیون کے ہان بھی مقابلہ کرنے کا معیار حیوانات ہی پر مبنی تھا چنانچہ ایک ایرانی مقولہ نقل کرتا ہے کہ "فوجی خدمت کیلئے وہ شخص موزون ہے جو شیر ایسا دل، بھیڑیے ایسی قوت، لومڑی ایسی مکاری، کوّے ایسی ہشیاری، سارس ایسی نگہبانی فاختہ ایسی مقامات کی شناخت، بجڑ ایسی بچاؤ کی گھاتین، اور بلّی ایسا صبر و استقلال رکھتا ہے" ایک دوسرا مقولہ ہے، کہ "بادشاہ مین مکھی کی چستی، چیونٹی کی قوت، اور عورت کی مکاری ہونی ضروری ہے" حمزہ کا بیان ہے کہ یہ مقولہ ایک بادشاہ کے سامنے بیان کیا گیا تو وہ بہت ناخوش ہوا، لیکن جب اس سے لوگون نے یہ کہا کہ مکھی اسقدر دلیر ہوتی ہے کہ بادشاہ کے ناک پر بیٹھ جاتی ہے، چیونٹی اسقدر مضبوط ہوتی ہے کہ اپنے سے بھاری بوجھ کو اپنے پیٹھ پر لیجاتی ہے، عورت اسقدر مکار ہوتی ہے کہ بڑے بڑے چالاک آدمیون کو دھوکا دیدیتی ہے،

تو اسکا غصہ بالکل جاتا رہا، حمزہ نے چونکہ اسکو ایرانی مقولون سے غیر معمولی دلچسپی تھی، اکثر بزرجمہر کے اقوال نقل کئے ہین، لوگون نے بزرجمہر سے اُسکی شاندار کامیابی کا راز پوچھا تو اُس نے جواب دیا کہ "چونکہ مین کوّے سے زیادہ سویرے اُٹھتا تھا، سور کی طرح تحصیل علم کے لئے ہر وقت پریشان رہتا تھا، اور مجھ مین بھیڑیے کی قوت اور بلی کا صبر و استقلال بھی موجود تھا" ایک عربی مقولہ کے متعلق جسمین مرغ کی زبردست قوت سامعہ کا بیان ہے، حمزہ ارسطو کیطرف اشارہ کرتا ہوا کہتا ہی کہ اسی لئے ایرانی مرغ کو فرزند آفتاب کہتے ہین" احر من النار (آگ سے زیادہ گرم) کی تشریح کرتا ہوا حمزہ کہتا ہے کہ اس عربی مقولہ کا مقابلہ ایک ہندوستانی مقولہ سے اچھی طرح کیا جاسکتا ہی، کلیلہ کہتا ہے کہ "ہر قسم کی آگ کیلئے ایک دفع کرنے والی چیز موجود ہے، چنانچہ قدرتی آگ کے لئے پانی، زہر کے لئے تریاق، مصیبت کے لیے صبر و استقلال، محبت کیلئے جدائی، لیکن دشمنی کی آگ کو کوئی چیز نہین بجھا سکتی" ایک اور عربی مقولہ اعمر من حیتة (سانپ سے زیادہ دیرپا) کے متعلق حمزہ کہتا ہے کہ عربون کا خیال تھا کہ سانپ خود نہین مرتا جب تک کہ مارا نہ جائے، اور ایک ایرانی مقولہ سے اسکا مقابلہ کرتا ہے (Onagea) اسی برس اور عقاب تین سو برس زندہ رہتا ہے، لیکن سانپ ہمیشہ زندہ رہتا ہے اگر مارا نہ جائے۔

اس کتاب کے آخر باب مین جو ایک ضمیمہ کی صورت مین ہے، تیس قصے مذکور ہین جنمین کچھ حیوانات کے قصے ہین، اور بقیہ قصون مین قدیم عربون کے بیہودہ مراسم اور وہم پرستی کا بیان ہے، مثلاً نگاہِ بد کی بیماریون اور اُنکے علاج اور جھاڑ پھونک وغیرہ کا تذکرہ ہی معاصر ایرانی اور عرب دونون وہم پرست تھے، دنیا کی کونسی قوم وہم پرست نہین ہی، انھون نے خاصکر فال و شگون کو بہت زیادہ ترقی دی، اور اسمین کوئی شبہہ نہین کہ تمام ایرانی خاندانون کی

ابتدا اگر زیادہ پہلے نہین تو کم از کم سلطنت ساسانیہ کے زمانہ سے ہوئی، ہم عربون کے منقولات کے شکر گذار ہین کہ انکی وجہ سے فن فال پر ایک نہایت اہم اور پر مغز مضمون ہم تک پہونچا ہے، ہمکو ان چند واہمانہ خیالات کے متعلق تفصیل سے گفتگو کرنے کا موقع ملیگا جو ابتک ہم مین رائج ہین، اور جنکو چند لوگ ہندؤن کے اثر کا نتیجہ کہتے ہین، ان سے خانگی اور سوشل حالات کا پتہ چلتا ہے، اس حیثیت سے ایرانی مورخ اپنے ہمعصرون بلکہ بعض وقت جدید مورخون سے بھی ایک قدم آگے نکل جاتا ہے، ان مین سے اکثر اس زمانہ کے توقعات سے کہین زیادہ سائنس اور تاریخ کے اصول وآئین سے واقفیت رکھتے تھے، چنانچہ اگر میری یاد نے غلطی نہ کی ہو تو دینوری نے اپنے دیباچہ مین لکھا ہے کہ "مین نے باہمی جنگ وفساد کے تذکرے کے بجائے قدیم زمانہ کی طرز معاشرت اور تمدن وتہذیب کی ایک صحیح تصویر کھینچنے کی کوشش کی ہے، کیونکہ تاریخ کا اصلی منشا یہی ہے نہ کہ معرکہ آرائیون کا تذکرہ"۔ قدیم عربون کی توہم پرستی حمزہ کے ہمعصرون کے لئے ایک عام موضوع بنگئی تھی، چنانچہ نویری نے اپنی دوسری کتاب کے دوسرے حصہ مین عربونکے واہمانہ خیالات کا ایک معتد بہ ذخیرہ جمع کردیا ہے، آخر حصے مین سترہ مختلف منترون کا بیان ہے جو عربون مین عام طور پر رائج تھے،

حمزہ کی کتاب الامثال نے جیسا کہ چاہیے تھا شہرت عام کی سند حاصل کرلی اور بہت سے لوگون نے اُسکے تتبع مین قلم اُٹھایا، ان مین سب سے بڑا شخص جو حمزہ سے بھی کسی قدر آگے نکل گیا، میدانی تھا، وہ یورپ مین عربون کے امثالیہ لٹریچر کا بہترین نمائندہ خیال کیا جاتا ہے، اس نے جیسا کہ ہم اوپر کہہ آئے ہین، حمزہ کی پوری کتاب اپنی تصنیف مین نقل کردی ہے، میدانی حمزہ کے خرمن علم کی خوشہ چینی کا اعتراف کرتا ہوا کہتا ہی کہ "مین نے اپنی کتاب لکھنے کے قبل پچاس کتابون کا بغور مطالعہ اور اقتباس کیا"، یہ عجیب بات ہی کہ

میدانی نے اپنے عربی اقوال کے مجموعہ مین متفق المضامین ایرانی مقولون کو جنکو حمزہ نے نمایان طور پر بیان کیا ہے، بالکل قلم انداز کردیا، حالانکہ وہ ایرانی النسل تھا، اور فارسی مین لغات عربیہ اور علم النحو پر کتابین بھی لکھی تھین،

بلاشبہہ میدانی اور زمخشری ایسے علما اپنے روزانہ کاروبار مین جیسا کہ چند قصون سے ظاہر ہوتا ہے، بے تکلف فارسی سے کام لیتے تھے، مثلاً زمخشری نے محض "میدانی" کا مضحکہ اُڑانیکے لئے اسکے نام کو "میدانی" کی صورت مین بدل دیا، میدانی نے اُس کے بدلے یہ کیا کہ "زمخشری" کے نام کو "زن خرید" کی شکل مین مشہور کردیا، اس سے یہ ظاہر ہے کہ گو علمی زبان عربی تھی، لیکن مصنفین، فارسی سے بھی اچھی طرح آشنا تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ مجوسیون سے نہایت اچھے تعلقات رکھتے تھے، اور انکی عربی تصانیف مین اکثر جو فارسی اشعار اور فقرے ملتے ہین، اسکا بھی یہی بھید ہے، کاتبون نے جو فارسی سے بالکل ناآشنا تھے، انکی عبارت کی مٹی عجیب طرح پر خراب کی ہے، مثلاً مشکدانہ کو مشکوریہ، مہرارد کو بہرارد لکھدیا ہے، سنجادو اور ہوارٹ نے ایسے غلط الفاظ کی تصحیح کرنے مین غیر معمولی محنت کی ہے،

عربی مورخون کی جنھون نے تاریخ ایران کا بغور مطالعہ کیا ہے، یہ ایک عام خصوصیت ہی کہ وہ نہ محض تاریخ ایران پر ایک عام نظر ڈالنے کو اپنا فرض سمجھتے ہین، بلکہ اپنی کتاب کا زیادہ حصہ ایرانی معاملات کے تذکرہ کے لئے مخصوص کردیتے ہین، مثال کے طور پر ابن اثیر کو لو، اس نے جمشید کے متعلق لکھا ہے کہ وہ پہلا شخص تھا جس نے پل تعمیر کیئے، اور تمام ایرانی خاندانکی نہایت تفصیل سے تذکرہ کیا ہے، جسکو ابن قتیبہ نے ایک نہایت عمدہ خلاصہ کی صورت مین نقل کردیا ہے، ابن اثیر نے اردشیر کے تعمیر کردہ شہرون کا بھی بیان کیا ہی اور دشت اور کسری نوشیروان کے حالات زندگی بھی کچھ لکھے ہین، اول اول رائٹ آنریبل جسٹس امیر علی نے

جو اسوقت کلکتہ ہائیکورٹ کے جج تھے، ابن اثیر کی طرف میری توجہ مبذول کرائی، اس سلسلہ مین مین دو اور عربی مصنفون کے متعلق کچھ کہونگا، جنکی تصانیف سے اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ ایرانی معاملات سے کسدرجہ دلچسپی رکھتے تھے، عربون کو عموماً ایرانیون کے علوم وفنون سے غیر معمولی تنغف تھا، چنانچہ انھون نے ایرانیون کے فن خط نویسی کو بہت زیادہ ترقی دی، ایران کے قدیم لٹریچر مین جو کچھ انکو پسند آتا تھا وہ اسکو نہایت مستعدی سے مطالعہ کرتے تھے اور اپنی تصانیف مین آیندہ نسلون کے فائدہ کی غرض سے نقل کر دیتے تھے، مثلاً تھوڑی دیر کے لئے بیہقی پر نظر ڈالو، اُس نے اکثر بزرجمہر کے حکیمانہ اقوال کا حوالہ دیا ہے، اور بادشاہ کوبذ کے قصون، جنگ ذکارہ کے واقعات، نوشیروان کی فصاحت وبلاغت بحر قزوین کے شہرون کے عجائبات، پرویز وغیرہ کے افسانون کا نہایت مفصل تذکرہ کیا ہے، اُس نے بارہا بادشاہانِ ایران کی دانائی اور فراست کی جیسا کہ اُنکے مقولون سے ظاہر ہوتی ہے، نہایت پُرزور الفاظ مین تعریف کی ہے، بہرام اور دختر مرزبان کے قصے اور بہرام گور وغیرہ کے عاقلانہ اقوال وامثال بھی بیان کئے ہین، میرے خیال مین کوئی عرب مصنف ایسا نہین ہے جس نے بار بار بزرجمہر کا حوالہ نہ دیا ہو، ممکن ہے کہ اسکے اقوال تمام دل ودماغ پر اپنا سکہ نہ جما سکین، لیکن اسکے فلسفہ مین کچھ ضرور تھا جس نے عربون کے علمی دل ودماغ کو بالکل مسخر کر لیا، بیہقی نے "مہمان نوازی" کی نسبت عربون اور ایرانیون کے باہمی بحث ونزاع کا ایک نہایت دلچسپ قصہ بیان کیا ہے، جسمین ایرانیون کو اس صفت کے لحاظ سے فوقیت دیگئی ہے، بیہقی نے نوشیروان کے اکثر اقوال اصل فارسی مین بھی نقل کئے ہین، ایرانی قبرون کے کتبون کا بھی کچھ تذکرہ کیا ہے، اس مسئلہ کے متعلق ہماری علمی جماعت کے بہترین نمایندہ شمس العلماء ڈاکٹر مودی نے علمی مجلسون کے سامنے

اکثر نہایت وقیع اور قابل قدر مضامین پڑھے ہین، جن سے اس مسئلہ کے متعلق تحقیقات کرنے مین بہت بڑی مدد ملتی ہے،

اسی طرح ایک دوسری کتاب یعنی المحاسن والاضداد سے بھی ایران کے دربار، رسم رواج، تمدن وتہذیب، امثال واقوال، شان وشوکت وغیرہ کا کافی طور پر پتہ چلتا ہے،

سلسلۂ سخن مین ہم کہان سے کہان نکل آئے، ہمکو حمزہ کی طرف پھر متوجہ ہونا چاہیئے، ابونواس کے ایڈیشن مین حمزہ نے عربی شعراء کے ان الفاظ ومحاورات کی تحلیل وترکیب کی ہے جو براہ راست ایرانیون سے لئے گئے ہین، حمزہ نے اکثر ایرانی الفاظ کے اشتقاق پر نقد کیا ہے، مثلاً لفظ ماہ چین کے متعلق لکھتا ہے کہ یہ چین کا نام ہے "ماہ" اور "چین" سے مرکب ہے، "ماہ" چاند کو کہتے ہین اور چین ایک ملک کو، ان دونون لفظون کے ملانیکی وجہ یہ ہے کہ ایرانی اس ملک کو جہان نباتات کی پیداوار کثرت سے ہوتی ہے "ماہ" کہتے تھے، اور یہی وجہ ماہ سیجان" کے نام کی بھی ہے، جسکو لوگ اب" سجستان" کہتے ہین، کیونکہ ایرانیون کا یہ خیال تھا کہ چاند تری اور پانی پر جو نباتات کی زندگی کے لئے نہایت ضروری ہین، بہت زیادہ اثر ڈالتا ہے۔

آہل وردٹ نے دیوان ابونواس کے مضامین کی جزئی تحلیل کی ہے، ہم فہرست مضامین پر ایک سرسری نظر ڈالنا چاہتے ہین، پہلے باب مین ابونواس کی شاعری کے محاسن پر بحث کیگئی ہے، دوسرے باب مین شاعرون سے باہمی معرکہ آرائیون کے واقعات وحالات کا تذکرہ ہے، بقیہ حصون مین ابونواس کی شاعری بعنوانات ذیل تقسیم کیگئی ہے، مثلاً مدح گوئی، مراثی، ہجو، توبہ، شکار، شراب وغیرہ، مونثات اور مذکرات کے بھی باب قائم کئے ہین، اور آخری باب ظرافت اور خوش طبعی پر ہے، آٹھوین باب مین جس مین شکار کے متعلق اشعار ہین

حمزہ لکھتا ہے کہ مجھکو ان مین سے ۱۷ اشعار مسودات مین ملے تھے، اور چونکہ وہ اشعار کسی دوسرے کی نظر سے نہین گذرے، لہذا میرے نزدیک وہ الحاقی معلوم ہوتے ہین، نوین باب کے دیباچہ مین حمزہ لکھتا ہے کہ میرے خیال مین اس باب مین الحاقی اشعار بکثرت ہین، اور مین نے چند اشعار مصنوعی سمجھکر خارج کر دیے ہین، لیکن اس حصہ کو ان مصنوعی اشعار سے جو بغیر کسی معقول وجہ کے حمزہ کی طرف منسوب کر دیئے گئے تھے، پاک و صاف کرنا نہایت مشکل کام ہے، زمانہ حال کے نقاد کی طرح حمزہ نے ان اشعار کو علیحدہ کر دیا ہے جو قدما سے لئے گئے تھے، اور ایسے اشعار کو بھی یکجا جمع کر دیا ہے جنکو ابو نواس کے بعد کے شاعرون نے ایک نمونہ کی حیثیت سے اپنے پیش نظر رکھا،

حمزہ محض الفاظ کی تشریح نہین کرتا، بلکہ اُسکی دقیق اور وسیع نظر شاعری کے حدود سے گذر کر اور علوم و فنون پر بھی پڑتی ہے، اکثر اُسکی عالمانہ تشریحین بجائے خود مستقل مضمون بنجاتی ہین، گو یہ کتنے ہی دلچسپ ہون، لیکن اب ہمکو حمزہ سے رخصت ہونا چاہیئے۔

ادبیات

(۲)

انتظار

مرزا رفیع سودا

اک روز سیر گور غریبان کو مین گیا، — یعنی وہان بزرگون کا اکثر مزار ہے،

دیکھا تو ایک گور پہ نرگس ہی سرنگون — پوچھا مین اُس سے یہ کہ تو کیون شرمسار ہے؟

اُس نے کہا "عزیز! تو نرگس مجھے نہ جان — آنکھین ہین اُسکی ہون کہ یہ جسکا مزار ہے"

جب مین کہا کہ "میری طرح سرنگون ہے کیون — اور اسقدر یہ کسکا تجھے انتظار ہے"؟

تب تو یہ اُسنے مجھسے کہا "سُن اے بیخبر! — یہ بات تو ہر اک کے اوپر آشکار ہے

عاشق تھا ایک کافرِ بے پیر کا یہ شخص — ابتک اُسی کا اسکے تئین انتظار ہے

سودا مجھے یقین ہوا تب سنی کہ آہ! — عاشق کو بعد مرگ کے بھی انتظار ہے

دیکھے نہ دیکھے کوئی؟ بھلا دیکھتا نہین؟

کرامت علی شہیدی لکھنوی المتوفی ۱۲۵۶ھ

خلوت مین پا کے مین نے کہا اُس سے ایک رات — کچھ صبر آج دل مین ذرا دیکھتا نہین،

دربند، ہمنشین کو نشہ کی ہے بیخودی — یان کوئی میرے تیرے سوا دیکھتا نہین

آنکھون مین آپ شمع کی چربی ہی چھا رہی — گل خود ہی زرد رخ یہ ترا دیکھتا نہین

اسپر بھی گر ہو وہم تجھے شمع گل کرون — اے جان پھر تو کوئی بھلا دیکھتا نہین"

بولا کہ "اتنے روز ون سے صحبت ملی تجھے — پر حیف، تو مزاج مرا دیکھتا نہین

تیرے اگر لحاظ وادب پر پڑا نقاب — کمبخت! میری شرم وحیا دیکھتا نہین

گل، چشم نیم باز سے ہی تک نہین رہا — پروانہ، پاے شمع پڑا، دیکھتا نہین

اے بیخبر! اندہیرے اُجالے کے کام کو — تُ دیکھے نہ دیکھے کوئی خدا دیکھتا نہین

بُلبُل اور پروانہ کا مناظرہ

نواب آصف الدولہ آصف شاہ اودہ

گل ہنسکے بولا، نالۂ بُلبُل پہ یون تنگ — "کم ظرف دیکھ ہم بھی تو آخر ہین زارِ شمع"

رُو رو کے یہ جواب دیا عندلیب نے — انصاف دل مین کیجیو اے دلفگارِ شمع

ہی شمع کے بھی دل مین محبت پتنگ کی — گر ہی پتنگ سوختہ جان بیقرارِ شمع

پروانہ کو جلا کے ہوئی شمع بھی تمام — جینا بغیر یار کے ہی ننگ و عارِ شمع

فریاد وآہ و نالہ بھلا کس لئے کرے — جلتے ہوے پتنگ رہا ہمکنارِ شمع

گل مہربان سُنا ہی کبھی عندلیب پر — تو شکر کر کہ مہر ووفا ہے شعارِ شمع

مین آہ! آہ و نالہ نہ کھینچون تو کیا کرون — جلتی ہین غم سے میری رگین مثلِ تارِ شمع

شوقِ جنون

شیخ غلام علی راسخ عظیم ابادی

علائق سے آزادگی تھی میسّر — جنون جن دنون اپنا زنجیر پا تھا

نہ تھی فکر پوشش کی دیوانگی مین — اس اندیشہ کو مین نے تہ کر رکھا تھا

نہ بالین کی خواہش نہ بستر کی حسرت — نہ پروا گلہ کی، نہ شوقِ قبا تھا

فقط گرد کی تہ تھی پیراہنِ تن — نہ کچھ اور پاس اپنے اسکے سوا تھا

کیا ہاے کیا تو نے اے ہوشیاری! — لباس اپنے تن پر وہی خوشنما تھا

عالمِ آزادی

حاجی عبد اللہ آشفتہ سلہٹی

وہی عالم اچھا تھا آشفتہ مجھ مین — وجود وعدم تھا نہ رنج و محن تھا

نہ ہستی کا نام ونشان تھا ذرا کچھ — نہ ہم تھے نہ دل نے غمِ جان وتن تھا

نہ خوفِ قیامت نہ تشویشِ دنیا — نہ مرگ اور نہ سوداے گور وکفن تھا

نہ سر تھا نہ شورِ جنون کی یہ شورش — نہ دل تھا نہ اُسکا یہ دیوانہ پن تھا

کُھلی آنکھ خوابِ عدم سے تو دیکھا — اجل سر پہ اور روبرو گورکن تھا

ایامِ فراق

مرزا محمد رفیع سودا

تجھ بن عجب معاش ہی سودا کی اندنون — تو بھی ٹک اُسکو جا کے ستمگار دیکھنا

نے حرف و نے حکایت و نے شعر نے سخن — نے سیرِ باغ و نے گل و گلزار دیکھنا

خاموش اپنے کلبۂ احزان مین روز و شب — تنہا پڑے ہوے در و دیوار دیکھنا

یا جا کے اُس گلی مین جہان تھا ترا گذر — لے صبح تا بشام، کئی بار دیکھنا

تسکین دل نہ اُسمین بھی پائی تو بہر شغل — پڑھنا یہ شعر گر کبھی اشعار دیکھنا

"کہتے تھے ہم نہ دیکھ سکین روزِ ہجر کو
پر جو خدا دکھائے سو لاچار دیکھنا"

آغاز کارِ عشق مین انجام کار تھا

حکیم محمد مومن خان مومنؔ دہلوی

وہ نوجوان عابد و زاہد کہ سب جسے
کہتے تھے مومن اور بہت دیندار تھا

کل ایسے حال سے نظر آیا کہ کیا کہون
جو تھا سو اسکو دیکھ کے زار و نزار تھا

غیرت کی جا ہی اُن صنمون نے کیا خراب
ملنے سے جسکے معتقدِ ننگ و عار تھا

بیمار کر دیا شبِ ہجرِ بتان نے آہ
کیا ہو گئے وہ روز کہ پرہیزگار تھا

یا تو ہمین ڈراتے تھے خورشیدِ حشر سے
یا اپنے سر پہ داغِ جنون شعلہ بار تھا

اختر شماریِ شبِ غم نے بھلا دیا
جتنا خیالِ پرسشِ روزِ شمار تھا

ہر ایک کی طرف نگہِ بیکسانہ تھی
کسکی نگاہِ لطف کا امیدوار تھا

ہمت سے اور نازِ اُٹھانیکی آرزو
باقی تھی، گو کہ ضعف سے جینا بھی بار تھا

ہر دم ہوائے آہ سے اُڑتی تھی منہ پہ خاک
جلنی کہ سر مین گرد تھی دل مین غبار تھا

زخمون مین بسکہ مشک بھرا تھا مین کیا کہون
عالم بدن کا اُسکے عجب لالہ زار تھا

آنکھون سے چند جدولِ خونابہ تھین روان
چہرہ جو تھا خون سے سراپا فگار تھا

نے راحتِ فگار نہ آسایش و شکیب
نے طاقت و توان نہ سکون و قرار تھا

نے ہوش و نے حواس نہ آرام و نے قرار
نے صبر و نے تحمل و نے اختیار تھا

کیا کشمکش نے دونونکو بے حال کر دیا
نے زور ہاتھ مین، نہ گریبان مین تار تھا

جُنبش بھی تھی محال، تڑپنا تو اک طرف
کاہیدہ جسمِ ضعف سے کوہِ وقار تھا

ہو خود ہی بیحواس تو احوالِ دردِ دل
کس سے کہے خبر ہی نہین کون یار تھا

گو ہاتھ سے اشارہ نہ تھا نے زبانسے بات
تو بھی تو حال دست و زبان آشکار تھا

اسواسطے کہ خاک پہ انگشت دست سے
"رحمے بحالِ بندہ خدایا گنہگار تھا"

اور ایک یہ شعرِ شعلہ فشان و زبانہ خیز
تبخالہ ریزِ کام و زبان بار بار تھا

"آغاز کارِ عشق مین انجامِ کار تھا
مین کیون فنائے ہستیِ بے اعتبار تھا"

داستانِ عندلیب

عبدالکریم سوز خلف امام بخش صہبائی

دیکھا عجب تماشا، طرفہ کیا نظارہ
گذرا جو صبحگاہان بین صحنِ گلستان سے

یعنی کہ ایک بلبل بیٹھی تھی شاخِ گل پر
رنگِ چمن دوبالا تھا اسکی داستان سے

جون سوز، سوز دردِ دل اشعار میر لب پر
گویا خبر وہ دیتی تھی سوزشِ نہان سے

اسکے سخن مین ہمدم! کیا کچھ بھری تھی گرمی
گویا کہ آتشِ دل تھی شعلہ زن زبان سے

گہ نالہ و فغان سے، عالم کو پھونک دینا
گہ دل ہی دل مین جلنا آہِ شرر فشان سے

گہ فصلِ گل سے شادان، گو تاہ بینیون سے
گہ بیش بینیون سے غمگین تھی وہ خزان سے

اُسکو سمجھکے اپنا ہمدرد و ہم مصیبت
پوچھا یہ مین نے اس سے تو کہ کچھ زبان سے

کیا حال ہی کہ تیرے وہ زمزمے نہین مین
اندوہگینیان ہین ظاہر تری فغان سے

کہنے لگی کہ جو جو میری حقیقتین ہین
سو گفتنی نہین ہین، کیا فایدہ بیان سے

لیکن نہین مناسب بالکل ہی چپکے رہنا
اب رازِ دل چھپاؤن اور تجھسے رازدان سے

میری یہ ہی حقیقت، میرا یہ ماجرا ہے
یعنی کہ خستہ دل ہون اور تنگ اپنی جان سے

نے بیٹھنے کی جا ہی نے رہنے کا ٹھکانا — آزردہ ہون زمین سے آشفتہ ہون زمان سے

اِنکے تو جور سہتے اک عمر ہو گئی ہے — صیاد سے گلہ ہی شکوہ نہ باغبان سے

اب تو اک اور تازہ آفت ہی سر پہ نازل — یعنی بقول میر دل خستہ آسمان سے

جب کوندتی ہی بجلی تب جانب گلستان — رکھتی ہی چھیڑ میرے خاشاک آشیان سے

مطبوعات جدیدہ

رموز فطرت، اردو زبان مین جدید علوم پر مستند و جامع کتابون کی تالیف گو آہستہ آہستہ ترتیب پارہی ہے، لیکن بڑی ضرورت ہے کہ ان عنوانون پر مختصر اور سلیس رسالے بھی ترجمہ یا تالیف پائین، پنجاب یونیورسٹی نے طبعیات کے چند مختصر رسالے لکھوائے ہین، رموز فطرت اس سلسلہ کی بہترین کتاب ہے، یہ اصل مین ایک انگریزی ابتدائی سلسلۂ علوم کا رسالہ ہے، منشی محمد مہدی صاحب مددگار مہتمم تاریخ ریاست بھوپال نے اس ترجمہ کو ترتیب دیا ہے، رسالہ طبعیات، طبقات الارض، جغرافیہ طبعی اور علم ہیئت کے مبادی پر مشتمل ہے، ہر مسئلہ بطریق سوال و جواب عام فہم و سلیس عبارت مین مبتدیون کو سمجھایا گیا ہے، طرز ادا دلنشین اور پسندیدہ ہے، مترجم نے سب سے بڑی محنت اور جانفشانی انگریزی اصطلاحات کے بجائے عربی و فارسی مصطلحات کے ڈھونڈھنے مین صرف کی ہے، جہانتک قدیم مصطلحات مل سکے ہین، اُنکو باقی رکھا ہے، جدید اصطلاحات کے وضع و انتخاب مین بھی حسن مذاق اور سلیقہ سے کام لیا ہے، بعض عربی اصطلاحات بیشک اُردو مین سخت و ناگوار ہین، تاہم یہ سختی چند روز کانون کو گوارا کرنی پڑیگی، رسالہ مجموعی حیثیت سے قابل قدر و پُر از معلومات ہے

اگر عربی مدارس کے طلبہ اسکو زیر مطالعہ رکھین تو اُنہین معلوم ہو سکیگا کہ میبذی، ہدیہ سعیدیہ، شرح ہدایۃ الحکمۃ اور شمس بازغہ پڑھنے پر بھی جو معلوم نہین ہوتا وہ اس ایک رسالہ سے معلوم ہو سکتا ہے، ضخامت ۲۵۰ صفحہ، مترجم سے دفتر تاریخ ریاست بھوپال سے ملسکتی ہے،

انسان، یہ رموز فطرت کا گویا دوسرا حصہ ہے، جس مین علم وظائف الاعضا (فزیالوجی) یا مختصراً اُسکو **عضویات** کہیئے) کے ابتدائی مسائل حل کئے گئے ہین، حضور سرکار عالیہ فرمانروا بھوپال کی خواہش پر منشی محمد مہدی صاحب نے اُسکو نہایت آسان اور سادہ عبارت مین مرتب کیا ہے، اس علم کا مقصد یہ ہے کہ کالبد انسانی مین خداے پاک نے جو عجیب و غریب صناعیان مخفی رکھی ہین، اُنکو واضح کیا جاے، تقطیع چھوٹی، حجم ۵۰ صفحہ، مولف سے طلب فرمائین،

البشریٰ، یہ تقریباً ۵۰ صفحہ کا ایک مجموعۂ مضامین ہے، جسمین تدوین قرآن، جمع و ترتیب حدیث، اور پردہ جیسے اہم مباحث پر ایک اجمالی تبصرہ ہے، رسالہ مین مسامحات بھی ہین، معلومات کی وسعت مین تنگی بھی نظر آتی ہے، ایک جگہ صفحہ ۱۴ مین یہ عبارت مندرج ہے، "عورتون کے لئے تمیم داری امام مقرر کی گئین" اس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ تمیم داری کسی عورت کا نام ہے، حالانکہ وہ مرد تھے،

ہم اس رسالہ کو اس لحاظ سے نہایت قابل قدر سمجھتے ہین کہ یہ ایک تعلیم یافتہ پردہ نشین خاتون کی تالیف ہے، موجودہ تعلیم یافتہ خاتونون مین تہذیب و معاشرت پر لکھنے والی متعدد "صاحبات" موجود ہین، لیکن ابتک مذہبی مضامین اور اسلامی تاریخ کی واقفیت کا کسی خاتون نے نمونہ نہین پیش کیا،

بی حاجرہ بنت مولوی مظفر صاحب رئیس کاغذی محلہ، بہار، اس صنف مین پہلی خاتون ہین، از راہ علم دوستی مولفہ نادار بہنون کو ہدیتہً یہ رسالہ دینا چاہتی ہین، اوپر کے پتہ سے درخواست بھیجیے،

ادیب الاطفال، اس نام سے منشی حبیب الدین صاحب ناظر دفتر تاریخ بھوپال نے چھوٹے بچون کے لئے مرغوب طبع اور نصیحت آمیز قصون کا ایک مجموعہ مرتب کیا ہے بتدی بچون کے لئے مفید ہوگا،

گنجینۂ اسرار حقیقت، اُردو مین صوفیاے کرام کے ملفوظات اور اخلاقی حکایات کا ایک مختصر اور ناتمام مجموعہ ہے، حجم ۵۰ صفحہ، قیمت ۹ر، نانومل اگروال مالک قیصر ہند پریس لودیانہ سے مل سکتا ہے،

اشرف التقویم، مولوی سید مرتضیٰ علی مرادابادی نے اس نام سے سال نو ۱۳۳۵ھ کی جنتری شائع کی ہے، جنتریان تو بیشمار شائع ہوتی ہین، لیکن اس جنتری کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ مسلمانون کی مذہبی ضرورتون کے مطابق شائع ہوئی ہے، اسلئے ہم نے اسکو نہایت پسند کیا رمضان اور دیگر تقریبات اسلامی کے مباحث، سال قمری کی تاریخین، سفر کے جدید پیش آنے والے مسائل کو بڑی خوبی سے حل کیا ہے، مؤلف نے اسکی تالیف و تحقیق مین بعض علماے دیوبند کی اعانت بھی حاصل کی ہے، ہم سفارش کرینگے کہ ہر مسلمان گھر مین اُسکا ایک نسخہ رہنا ضرور ہے، مسلمانون کا یہ حال ہوگیا ہے کہ انگریزی تاریخین تو نوک زبان رہتی ہین، لیکن عربی تاریخ کی ضرورت پڑے تو نوکرون سے اور گھر کی عورتون سے پوچھنی پڑتی ہے، اس جنتری مین عربی تاریخون کو سرنمبر قرار دیا گیا ہے،

مذہبی باتون کے علاوہ بعض تاریخی اور صناعی معلومات بھی اُس مین موجود ہین، قیمت ۳ر، منیجر اسلامیہ بک ایجنسی مراداباد سے طلب کرنی چاہیئے۔

❖❖❖❖❖❖❖❖❖❖

مجلد اوّل | ماہ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ مطابق مارچ ۱۹۱۷ء | عدد نہم

مضامین

آپ نہین نکلتے، اُنھون نے دامن مین روٹی کا ایک ٹکڑا رکھا، اور نکل کر کہا کہ جو اسپر قانع ہوگیا ہے اُسکو بادشاہ کے لڑکے سے کیا غرض، خدا کی قسم مین اُسکے سامنے حدیث نہ بیان کرونگا، [۱]

اسلام مین جعفر بن یحییٰ برمکی کی فیاضیون نے تمام دنیا کو اپنا غلام بنا لیا تھا لیکن صرف محدثین کا گروہ اس شکنجہ سے آزاد تھا، ایکبار اُس نے عیسیٰ بن یونس کو ایک لاکھ درہم دینا چاہا لیکن اُنھون نے اس سے انکار کر دیا، اور کہا کہ "اہل علم طعنہ دینگے کہ مین نے حدیث کی قیمت لی" [۲]

ایکبار مامون رشید نے کوفہ مین تمام محدثین کو بلوایا، عبداللہ بن ادریس اور عیسیٰ بن یونس کے سوا تمام لوگ آئے، اور اُسکے سامنے حدیثین بیان کین، اب مامون اور امین خود انکے پاس تشریف لیگئے، اور ان بزرگون نے اُنکے سامنے روایت حدیث کی، مامون نے عیسیٰ بن یونس کو دس ہزار کی رقم دینا چاہی، لیکن اُنھون نے صاف انکار کر دیا، [۳]

ایکبار امیر طاہر نے حافظ محمد بن رافع کی خدمت مین پانچ ہزار کی رقم بھیجی لیکن اُنھون نے قبول نہین کیا، [۴]

ایکبار خلیفہ مکتفی باللہ نے ایک کتاب کی صورت مین تمام علماء کے اقوال کو جمع کرانا چاہا، اس غرض کے لئے لوگون نے امام محمد بن جریر طبری کا انتخاب کیا، وہ آئے اور اسکے متعلق ایک کتاب لکھوائی، انکو اس پر صلہ دیا گیا تو انکار کر دیا، لوگون نے کہا "آخر ضروریات کے لئے کوئی صورت تو ہونی چاہیے"، بولے "مین امیر المومنین سے درخواست کرونگا کہ جمعہ کے دن سوال کرنیکی عام ممانعت کر دین"، اسی طرح اُنسے ایک وزیر نے فقہ مین ایک کتاب تالیف کرائی اور ایک ہزار دینار اسکے صلہ مین دیا، لیکن اُنھون نے اُسکو واپس کر دیا، [۵]

[۱] طبقات الحفاظ جلد ا صفحہ ۲۴۳، [۲] ایضاً جلد ا صفحہ ۲۵۰، [۳] ایضاً جلد ا صفحہ ۲۵۷، [۴] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۹۳، [۵] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۲۷۸،

صرف ان صلات و جائزات کی تخصیص نہین بلکہ محدثین کرام عموماً مذہبی خدمات پر کسی قسم کا معاوضہ لینا پسند نہین کرتے تھے، امام احمد بن حنبل نے صیغہ قضا سے کبھی وظیفہ نہین لیا، [۱] بلکہ بعض محدثین تو خود اس خدمت ہی کو قبول نہین کرتے تھے، ایکبار امام محمد بن جریر طبری کی خدمت مین یہ عہدہ پیش کیا گیا تو اُنھون نے اسکے قبول کرنے سے انکار کیا، [۲]

غرض محدثین کی زندگی کا خالص مقصد اشاعتِ علم، اور اشاعتِ مذہب تھا، اور اُسکو وہ کسی قسم کی دنیوی آلائش سے آلودہ و مخلوط نہین کرنا چاہتے تھے، ایکبار ابو نصر سنجری کی خدمت مین ایک عورت حاضر ہوئی، اور ایک ہزار اشرفیان پیش کرکے نکاح کی درخواست کی، اور کہا کہ "مجھے درحقیقت نکاح کی ضرورت نہین ہے، اس حیلہ سے صرف آپکی خدمت کرنی چاہتی ہون"، اُنھون نے کہا کہ "اشرفیان اُٹھالو اور چلی جاؤ"، وہ واپس گئی تو کہا کہ مین سجستان سے صرف تحصیل علم کے لئے نکلا ہون، اِسلئے اگر نکاح کرونگا تو مجھسے طالب العلم کا خطاب چھن جائیگا، اور مین تحصیل علم کے ثواب پر کسی دوسری چیز کو ترجیح نہین دیسکتا، [۳]

ایکبار زکریا بن عدی کی آنکھین آشوب کر آئین، ایک شاگرد نے اُنکی خدمت مین سُرمہ پیش کیا، بولے کہ تم مجھ سے حدیث سنتے ہو؟ اُس نے اقرار کیا تو سرمے کو واپس کر دیا، [۴]

ایکبار حسن بصری نے بازار مین کپڑا خریدنا چاہا، قیمت چکانے پر بزاز نے کہا کہ "آپ کو اس قیمت پر دیتا ہون، دوسرا ہوتا تو اس سے زیادہ لیتا"، چونکہ یہ رعایت صرف اِس بنا پر تھی کہ وہ بہت بڑے محدث تھے، اِسلئے عمر بھر اُنھون نے اس سے فائدہ اُٹھانا پسند نہین کیا یعنی پھر کبھی بازار تشریف نہین لیگئے، [۵]

اس قناعت و بے نیازی کا اثر علم حدیث پر

محدثین کرام کا یہ زہد و استغناء اگرچہ اخلاقی حیثیت سے تمام دنیا کیلئے

[۱] طبقات الحفاظ جلد ا صفحہ ۱۹۱، [۲] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۲۶۹، [۳] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۳۱۱، [۴] ایضاً جلد ا صفحہ ۲۶۳، [۵] مسند دارمی

اسوۂ حسنہ بن سکتا ہے، لیکن اسکا اثر صرف اخلاق ہی تک محدود نہین ہے، بلکہ انکا اصلی احسان یہ ہے کہ انکی اس خود دارانہ بے نیازی نے علم حدیث کو کسی قسم کی دنیوی اثر سے متاثر ہونے نہین دیا، یہود کے مذہب کو دنیوی حرص و طمع نے بالکل مسخ و بے اثر کر دیا، لیکن محدثین کرام نے مال و دولت کے لالچ سے مذہبی روایات کا ایک لفظ بھی اپنی جگہ سے ہٹنے نہین دیا، یہی وجہ ہے کہ مسلمانون کی مذہبی روایتین تمام دنیا سے زیادہ موثق و قابل اعتماد ہین،

حافظ ابراہیم بن طہمان کو بیت المال سے ماہوار وظیفہ ملتا تھا، ایکبار آپ سے خلیفہ کے دربار مین کوئی مسئلہ پوچھا گیا تو انھون نے کہا کہ "مین نہین جانتا" لوگ بولے کہ آپ ہر مہینہ مین اسقدر وظیفہ لیتے ہین، اور ایک مسئلہ کا صحیح جواب نہین دیسکتے، بولے "مین وظیفہ صرف اس غرض سے لیتا ہون کہ صحیح مسئلہ بتا سکون، اور اگر غیر صحیح مسئلہ پر مین وظیفہ لینا پسند کرتا تو اتبک بیت المال کا کل سرمایہ فنا ہو چکا ہوتا،[1]

علم حدیث کی صحت کا تمامتر دارو مدار جرح و تعدیل پر ہے، لیکن ایکبار قاضی معاذ بن معاذ نے عفان بن مسلم کو دس ہزار اشرفیان اس غرض سے دین کہ وہ ایک شخص پر جرح و تعدیل نہ کرین، انھون نے انکار کر دیا اور کہا کہ "مین حق کو باطل نہین کرسکتا"[2]

ایکبار ایک ہاشمی ابن مبارک کے پاس حدیث سننے کے لئے آیا، انھون نے انکار کیا، وہ واپس چلا تو اٹھے اور رکاب تھام کر اسکو سوار کرایا، ہاشمی نے کہا کہ آپ میرے سامنے حدیث تو بیان نہین کرتے، اور میرا رکاب تھامتے ہین۔ بولے "مین آپ کے سامنے خود تو ذلیل ہو سکتا ہون، لیکن حدیث کو ذلیل نہین کرسکتا"[3]

[1] طبقات الحفاظ جلد ا صفحہ ۱۹۲ [2] ایضاً جلد ا صفحہ ۳۴۸ [3] ایضاً جلد ا صفحہ ۲۵۲،

مذہبی روایات کی بیحرمتی کی ابتدا سب سے پہلے امرا کی گروہ کی طرف سے ہوتی ہے پھر انکے اثر سے یہ زہر تمام قوم کے رگ و پے مین سرایت کر جاتا ہے، لیکن محدثین کرام نے امراء کے سامنے کبھی فن حدیث کی بیحرمتی گوارا نہین کی، ایکبار سلطان مصر عبدالقاہر رہاوی کے حلقۂ درس مین آیا، اور اپنے بھائی سے باتین کرنا شروع کین، انھون نے ڈانٹا، اور کہا کہ "ہم علم حدیث کی تعلیم اس غرض سے نہین دیتے کہ تم دونون یہان آ کر باتین کرو"[1]

اس بے نیازی کا اثر اشاعت حدیث پر

احادیث نبوی کی حفاظت و صیانت کے ساتھ محدثین کرام کے اس زہد و استغنا کا اثر اشاعت حدیث پر بھی نہایت وسعت کے ساتھ پڑا جیسا کہ اوپر کے واقعات سے ثابت ہوا ہوگا، اس بے نیازی نے محدثین کی نگاہ مین مال و دولت کو بالکل بے حقیقت کر دیا تھا، اسلئے انکو جو کچھ ملتا تھا اسکو بیدریغ علم حدیث کی تدوین و اشاعت مین صرف کرتے تھے، حافظ صالح بن احمد کی ملک مین صرف ایک چکی تھی، انھون نے املا کرایا تو اسکو ۰۰، دینار پر فروخت کر ڈالا، اور اس رقم سے طلبہ کیلئے تحریر و کتابت کا سامان فراہم کیا،[2]

حافظ ابن جوہری نے اپنی کل میراث فن حدیث کی جمع و ترتیب مین صرف کر دی،[3]

حافظ ابو القاسم کو سلطنت کی طرف سے جو ماہوار تنخواہ ملتی تھی، اس مین سے ایک حبہ بھی اپنے اوپر صرف نہین کرتے تھے، بلکہ اسکو طلباء کے لئے وقف کر دیا تھا،[4] حافظ احمد بن مہدی نہایت دولتمند محدث تھے، اور اپنی دولت کا بہت بڑا حصہ اہل علم پر صرف کرتے تھے، چنانچہ انھون نے ان پر تین لاکھ درہم صرف کیا،[5] دعلج بن محمد بھی نہایت دولتمند تھے، اور مکہ مین اہل حدیث کیلئے بہت سی جائداد وقف کر رکھی تھی،[6]

متانت و وقار

تمدن ایک دائمی حرکت کا نام ہے، اسلئے اس زمانہ مین سنجیدگی و متانت

[1] طبقات الحفاظ جلد ۴ صفحہ ۹۶ [2] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۱۹۴ [3] ایضاً جلد ۴ صفحہ ۲۵ [4] ایضاً جلد ۴ صفحہ ۱۶۱ [5] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۱۴۴ [6] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۹۸،

باالکل مفقود ہوگئی ہے، اور اسکی جگہ تفریح اور لھو ولعب کے ساز وسامان نے لیلی ہے، اعلیٰ سے اعلیٰ مذہبی، ملکی اور قومی مقاصد کے لئے شاندار جلسے کئے جاتے ہین، قوم اور ملک کے تمام اکابر واعیان اُن مین جمع ہوتے ہین، لیکن شور وغل کے سوا ان مین سکون واطمینان کی جھلک کہین نظر نہین آتی، لیکن علم حدیث کے ادب واحترام نے محدثین کرام کو متانت ووقار کا مجسمہ بنا دیا تھا، اسلئے اُنکی مقدس صحبتون مین کلمات طیبۂ نبویہ کی صداے بازگشت کے سوا اور کسی قسم کی آواز نہین سنائی دیتی تھی، امام ابراہیم بن ابی طالب کے حلقہ درس مین طلبا بمشکل چھینک سکتے تھے[1]، حافظ عبداللہ بن موسیٰ کے متعلق عجلی کا بیان ہے کہ انکو کسی نے کبھی ہنستے ہوے نہین دیکھا[2]، امام اسحاق بن سفیان ایک مرتبہ حدیث کی روایت کر رہے تھے سوٗ اتفاق سے ایک لڑکا ہنس پڑا، انھون نے فوراً اُسکو نکلوا دیا[3]،

یہ متانت اور وقار محدثین کا عام شعار تھا، اور اگر کوئی محدث اسکے خلاف کوئی حرکت کرتا تھا تو اُسپر سخت اعتراضات کئے جاتے تھے، امام ابو عبداللہ صوری فطرۃً ظریف الطبع اور خوش مزاج محدث تھے، ایکدن وہ ابو عباس رازی کے سامنے پڑھ رہے تھے کہ انکو کسی بات پر دفعۃً ہنسی آگئی، اہل شہر کی ایک جماعت نے جو وہان موجود تھی اس پر سخت اعتراض کیا اور اہا کہ "یہ آپکے شایان شان نہین، آپ حدیث رسول اللہ پڑھتے ہین، اور پھر ہنستے ہین، ہمارے شہر کے شیوخ اسکو پسند نہین کرتے[4]"،

محدثین کی اسی متانت وسنجیدگی نے فن حدیث کی عزت ووقار کو قائم رکھا، تم اوپر پڑھا ہوگا کہ جب ایک بادشاہ نے ایک محدث کے حلقۂ درس مین باتین کرنا شروع کین تو انھون نے اُسکو کس طرح ڈانٹ بتائی،

(باقی آئندہ)

[1] طبقات الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۲۱۳، [2] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۳۲۴، [3] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۲۲۵، [4] ایضاً جلد ۳ صفحہ ۲۱۲

فنون لطیفہ

اقسام فنون لطیفہ

(۲)

ترجمہ مرزا احسان احمد بی اے

مختلف اصول جنکی بنا پر فنون لطیفہ تقسیم کئے گئے ہین

فن عمارت، سنگتراشی، مصوری، موسیقی، اور شاعری جیسا کہ ہم ابتدا ہی مین لکھ آے ہین، پانچ خاص فنون لطیفہ ہین، جو تمام مہذب اور متمدن سوسائیٹون مین رائج ہین،

مختلف اصول کو مدنظر رکھ کر لوگون نے فنون لطیفہ کی تقسیم کی ہے، مثلاً اگسٹ کامتی نے اصول سادگی کو پیش نظر رکھ کر فنون لطیفہ کو اس طرح ترتیب دیا ہے: فن عمارت اپنے اثرات اور مادی شرائط اور حدود کی حیثیت سے سب سے زیادہ سادہ فن ہی، اسکے بعد سنگتراشی، مصوری، اور فن موسیقی کا نمبر ہے، لیکن شاعری چونکہ اُسکے اثرات نہایت مخصوص ہوتے ہین، اور وہ واقعات قدرت، اور تجربات زندگی کا آئینہ ہوتی ہے، سب سے زیادہ پیچیدہ فن ہے،

لاٹزی نے آزادی کو جو نسبتہً کم وبیش فنون لطیفہ مین پائی جاتی ہی، اپنی تقسیم کا اصول قرار دیا ہے، (آزادی سے مطلب یہ ہی کہ انکو واقعات قدرت کی نقالی یا رفع ضروریات انسانی سے کوئی تعلق نہین) سب سے پہلا نمبر موسیقی کا ہے، کیونکہ اسکو نہ واقعات قدرت کی نقالی کرنی ہے، اور نہ کسی عملی مقصد کو پورا کرنا ہے، اسکے بعد فن عمارت ہے، کیونکہ اگرچہ اُس کا دامن مقاصد ضروریہ اور شرائط مادی سے وابستہ ہے، تاہم نقالی کے فرض سے آزاد ہے، اور آنکھون کو کچھ نہ کچھ اسکی گلکاریون سے حظ حاصل ہوتا ہے، اسکے بعد سنگتراشی، مصوری، اور

شاعری کا نمبر آتا ہے، یہ تمام فنون نقالی کے فرض سے سبکدوش نہین ہو سکتے، اسی طرح اور بہت سے دانایان فن نے مختلف اصول کی بنا پر فنون لطیفہ کی تقسیم کی ہے،

لیکن ان تقسیمون مین ایک سخت غلطی واقع ہوئی ہے، یعنی یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہر تقسیم بجائے خود مکمل ہے، اور دوسری تقسیم کے بجاے کام آسکتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ فنون لطیفہ کے باہمی تعلقات اسقدر پیچیدہ ہین کہ کوئی جامع اور مانع تقسیم نہین ہو سکتی، فنون لطیفہ کی ہر تقسیم اس اصول کے موافق جو مدنظر رہتا ہے، ضرور ہونی چاہیئے، اور علمی اغراض کیلئے متعدد تقسیمون کو پیش نظر رکھنا چاہیئے، ہم اسوقت فنون لطیفہ کے سادہ اور مسلمہ تعلقات کو پیش نظر رکھکر انکی تقسیم کرینگے

تقسیم اول فنون لطیفہ کے ذریعہ سے یا تو کوئی خاص چیز وجود مین آتی ہے، جسکو ہم دیکھتے ہین اور استعمال کرتے ہین، یا کچھ بھی نہین، وہ فنون جنکے نتائج کو ہم دیکھتے ہین اور استعمال کرتے ہین، تین ہین، فن عمارت، سنگتراشی، اور مصوری، ان فنون کا مایۂ خمیر خارجی مادہ ہے، جسکو مختلف طریقون مین ترکیب دیکر نہایت خوبصورت چیزین تیار کرتے ہین لیکن فن موسیقی اور فن شاعری سے اس قسم کے مادی نتائج نہین پیدا ہوتے، موسیقی سے جو کچھ پیدا ہوتا ہی، اسکو ہم محض سنتے ہین، اور شاعری جو کچھ پیش نظر کرتی ہے، اسکو یا تو ہم سنتے ہین یا پڑھتے ہین، اور پڑھنا بھی تو ایک قسم کا دماغی سننا ہے، جسمین ہم بجاے کان کے آنکھ سے کام لیتے ہین، چونکہ شاعری اور موسیقی اُن چیزون کا اظہار کرتی ہین جنکا تعلق محض وقت سے ہوتا ہے، اسلئے یہ فنون لسانیہ مین داخل ہین، اور بقیہ فنون یعنی فن عمارت، سنگتراشی اور مصوری فنون صناعیہ کے تحت مین آتے ہین، کیونکہ انسے وہ اشیار وجود مین آتی ہین، جن کا تعلق وقفہ سے ہوتا ہے،

تقسیم دوم: فنون نقلی اور غیر نقلی فنون لطیفہ مین سے جو فنون اشیار قدرت کی نقالی کرتے ہین،

تین ہین، سنگتراشی، مصوری، اور شاعری، بقیہ یعنی فن عمارت اور موسیقی اس سے آزاد ہین، ارسطو نے فنون لطیفہ کی اس خصوصیت پر بہت زور دیا ہے، لیکن اسکے اصول کو سمجھنے کیلئے ہمکو پہلے یہ دکھانا چاہیئے کہ اسکے نزدیک نقل کا کیا مفہوم تھا؟ اور اب ہمارے نزدیک کیا ہے، **ارسطو کا خیال تھا کہ نقالی محض اشیار مادی تک محدود نہین ہے،** بلکہ اسکے حدود کے اندر خیالات و جذبات بھی شامل ہین، چنانچہ موسیقی اور رقص جن سے ایسے جذبات کا اظہار ہوتا ہے جو تمام متعین خیالات یا اشکال سے بالکل جدا کیئے جا سکتے ہین، ارسطو کے نزدیک فنون نقلی ہین، لیکن ہمارا دائرہ خیال اس سے زیادہ تنگ ہی، ہمارے نزدیک نقالی محض موجودہ واقعات یا تجربات زندگی تک محدود ہے، اس بنا پر وہ فنون نقلی کہے جا سکتے ہین، جو یا تو اشیار کو اپنی اصلی صورت مین ہمارے پیش نظر کر دیتے ہین، مثلاً سنگتراشی، اور مصوری، یا محض ان اشیار کا ایک تخیل ہمارے دماغ مین قائم کر دیتے ہین، مثلاً شاعری، لٹریچر، اور ہم ان فنون کو نقلی نہین کہہ سکتے جو محض صورت یا آواز کی تحلیل و ترکیب کے ذریعہ سے جذبات کو ظاہر یا برانگیختہ کرتے ہین، اور کسی خاص چیز سے انکو کوئی تعلق نہین، مثلاً موسیقی یا فن عمارت

موسیقی غیر نقلی فن ہی، بلاشبہہ جب **موسیقی** الفاظ کی صورت مین ظاہر ہوتی ہے، تو جذبات کے ساتھ چند خاص خیالات بھی ہمارے پیش نظر ہوتے ہین، یعنی وہ خیالات جنکا اظہار خود الفاظ کے ذریعہ سے ہوتا ہے، لیکن وہی الفاظ اگر بغیر کسی راگ کے ادا کیئے جائین، تب بھی وہی خیالات ہمارے پیش نظر ہونگے، حقیقت یہ ہی کہ موسیقی الفاظ کی بالکل پابند نہین ہے، یہ محض ایک خالص جذبہ کا نام ہے جو قوت سامعہ کے ذریعہ سے حرکت مین لایا جاتا ہے، جو الفاظ کی تشریح مین کام نہین آتا، بلکہ الفاظ کے اس اثر کو جو جذبات پر پڑتا ہے دوبالا کر دیتا ہے، یہ مسلمہ ہے کہ جب کوئی دلکش گیت گائی جاتی ہے تو ہمارے جذبات کا فی

طور پر متاثر ہوجاتے ہین، چاہے ہم الفاظ کے معنی نہ سمجھ سکین یا اس زبان سے نہ واقف ہون، جس مین وہ گیت لکھی گئی ہے، موسیقی کا خاص مقصد چند متعین خیالات یا مادی اشیار کو پیش نظر کردینا نہین، بلکہ قوت سامعہ کے احساسات کو تحریک مین لاکر خوش کرنا ہے، اور اس طرح مغنی اور سامع دونون کے دل مین ایک مخصوص جذبہ پیدا ہوتا ہے، جو ضبط بیان مین نہین آسکتا ارسطو کے رائے کی تائید اس بنیاد پر نہین کیجاسکتی کہ اسکے زمانہ مین فن موسیقی نے اتنی ترقی نہ کی تھی جتنا اب کی ہے، بلاشبہہ فن موسیقی کی حیرت انگیز ترقی موجودہ زمانہ کا طغراے امتیاز ہے لیکن اُسکی اصلی خصوصیت جیساکہ قدیم ترین زمانہ مین تھی، اب بھی ہے، اسمین کوئی تغیر و تبدل نہین ہوسکتا، یعنی موسیقی محض ایک جذبہ ہی جو دل سے اُٹھتا ہی، اور دل ہی مین گھر کرتا ہی، یہ کسی چیز کے مشابہ نہین، یہ الفاظ کی پابند نہین،

ایک اعتراض اور اسکا جواب اس موقع پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہی کہ کیا ساز دار موسیقی بعض اوقات قدرتی آوازون کی حقیقتاً نقالی نہین کرتی، مثلاً جنگل کی کھڑکھڑاہٹ، باد صرصر کی لپٹ یا بجلی کی کڑک وغیرہ کیا ان چیزون کا جو تخیل ہمارے دماغ مین قائم ہوتا ہے، وہ تقریباً نقالی کے برابر نہین ہوتا، یہ صحیح ہے موسیقی اپنے غیر مادی سرون کو ایسے مادی صورت مین بدلدیتی ہے کہ ہم صاف طور پر قدرتی آوازون کا احساس کرتے ہین، لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ مغنی کے کمال کی دلیل نہین، بلکہ اسکے نقص کا علانیہ ثبوت ہے، مغنی کا اصلی کمال اس مین نہین ہے کہ وہ قدرتی واقعات اور کرشمون کا ایک تخیل ہمارے دماغ مین قائم کردیتا ہے، بلکہ وہ ہمارے ان مخفی جذبات کو برانگیختہ کرتا ہی جو عقل کی حکومت سے تقریباً آزاد ہین، اور یہی موسیقی کا اصلی کمال اور راز ہے،

یہ ظاہر ہے کہ ایک ہی نغمہ سے مختلف دماغون مین مختلف قسم کے خیالات پیدا ہوتے ہین، مثلاً کسی کے دل مین عشق و محبت کا دریا موج زن ہوتا ہے، کسی کے پیش نظر جنگ وغیرہ کے نشیب و فراز ہوتے ہین، کوئی روحانیت کے جذبہ مین محو ہوجاتا ہے، کسی کے آنکھون کے سامنے دنیا کے جنگ و فساد کا نقشہ پھر جاتا ہے، یہ اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ موسیقی کسی خاص چیز کے مشابہ نہین، یہ ایک عام آواز ہے جو ہمکو اشیا کے نفس حقیقت کی طرف مدعو کرتی ہے، جسکو فنا ہونے والے واقعات کی مصوری سے کوئی تعلق نہین، **اسکاپن ہیرس** کہتا ہی کہ موسیقی دنیا کے رازہاے سربستہ کے چہرہ سے نقاب اُلٹ دیتی ہے، اور رموز قدرت کا ایسی زبان مین انکشاف کرتی ہے جو عقل کے فہم و ادراک سے بالاتر ہے،

موسیقی کی تعریف ارسطو نے فنون لطیفہ کی تقسیم کی بنیاد دو اصول پر رکھی ہے، اشیاء، ئی فطرت جن کی نقالی کیجاتی ہے، اور وہ ذرائع جن سے نقالی مین کام لیاجاتا ہے، لیکن موسیقی کو پہلے اصول سے کوئی تعلق نہین، جیساکہ اوپر بیان ہوچکا ہے، اسکے ذرائع قدرتی اور مصنوعی آوازون کی ترکیب اور نشیب و فراز ہین، جنکی بنیاد تین اصول پر قائم کیگئی ہے، تال، اور سُر، (یہ دونون مل کر نغمہ پیدا کرتے ہین) اور ہم آہنگی یا تال اور لہجہ کے مختلف چڑھاؤ اور اُتار کے باہمی تعلقات، ان ذرائع سے موسیقی یا تو خود اپنی جداگانہ بنیادین قائم کرتی ہے، یا فن گویائی (جو نقلی ہے) کو زیادہ بااثر اور آراستہ کرتی ہے، لیکن خود نقالی نہین کرتی، ان حالات کی بنا پر فن موسیقی کی تعریف نہایت سادہ طور پر یون کیجاسکتی ہے کہ ایک لسانی فن ہے، جسکا مقصد منتظم آواز کی ترکیب اور زیر و بم سے جذبات کا اظہار کرنا اور اُبھارنا ہے،

فن عمارت ایک غیر نقلی فن کی حیثیت سے جس طرح موسیقی آواز کے تال و سُر کو مختلف طریقون پر ترکیب دیکر دلفریب نغمے پیدا کرتی ہے، اسی طرح فنِ عمارت غیر متحرک مادہ کی تحلیل و ترکیب سے خوبصورت اشیار وجود مین لاتا ہے، موسیقی اپنے ہم آہنگ نغمون سے قوت سامعہ کو محظوظ کرتی ہے، اور فن عمارت اپنے رنگ آمیزی، تناسب حصص، سادگی، نقش و نگار، وسعت،

استحکام وغیرہ کے ذریعہ سے قوت باصرہ کو، فرق اسقدر ہی کہ فن عمارت کا سرمایہ آواز کی طرح غیر محسوس اور غیر منجمد نہین ہے، بلکہ لکڑی، اینٹ، گارہ، پتھر، دہات سی سخت چیزین ہین اور قوانین وزن وثقل جنکے مطابق ان اجزار کی تحلیل وترکیب کیجاتی ہے، بہ نسبت قوانین تال و سُر جسپر موسیقی کی بنیاد ہے، بہت زیادہ سخت ومحدود ہین، معمار برخلاف مغنی کے بہت کچھ پابند ہے، ان عمارتون کے بنانے مین بھی جو روزانہ استعمال یا ضرورت کے لئے نہین ہین، بلکہ یادگار یا عبادت کیلئے ہین، معمار کو تناسب وترکیب اجزاء کے لئے قوانین کی پابندی کرنی پڑتی ہے، یہان بھی اسکو آزادی حاصل نہین، فائدہ کا بھی تخیل اُسکے دماغ مین رہتا ہی،

فن عمارت اور موسیقی کا مقابلہ — اس بنا پر فن عمارت کے اثرات مین اسقدر گوناگون اور غیر متبرقبہ حظ لطائف محسوس نہین ہوئے، جسقدر فن موسیقی کے اثرات مین، تاہم بادۂ نظر کے ذوق شناس جانتے ہین کہ قرون جلیلہ کے فن عمارت نے ایسے نتائج پیدا کئے ہین جو ان محاسن کے لحاظ سے جو ان دونون مین مشترک ہین، فن موسیقی کے کمالات سے کچھ ہی کم ہین، صفائی، تناسب اجزاء، لطافت نقش ونگار وغیرہ ان سب باتون کی حیثیت سے اتھینز کے پارتھنین سے موسیقی کبھی سبقت نہین لیجا سکتی، قرون وسطی کے شاندار عبادتگاہون سے جو روحانی جذبات دل مین پیدا ہوتے ہین یا انکی رفعت وعظمت، خوبصورتی پلین وغیرہ سے جو اثر محسوس ہوتا ہی، کیا موسیقی اس سے کچھ زیادہ کرسکتی ہے؟

باب التقریظ والانتقاد

التربیۃ الاستقلالیہ

(۳)

تربیت حواس — تربیت درحقیقت بچے کے قوائے فطریہ کے نشوونما دینے کا نام ہے، اسلئے حس قوا کا پہلے ظہور ہو، اُنھی کی تربیت مقدم ہوگی، بچہ سب سے پہلے دیکھتا ہی، سنتا ہے، چکھتا ہی، سونگھتا ہے چھوتا ہے، اور یہ تمام وظائف حواس ظاہری سے تعلق رکھتے ہین، اگرچہ اس مین اختلاف ہی کہ یہ تمام چیزین صرف عطیۂ الٰہی ہین، یا اُن مین کسب وتعلم کو بھی کچھ دخل ہے، تاہم بہرحال اتنا تو ضرور تسلیم کرنا پڑیگا، کہ انسان کے حواس اور اُنکے نتائج کو مشق وتمرین کے ذریعہ سے ترقی دیجاسکتی ہے، چنانچہ امریکہ کے حبشی اپنے بچون کی قوت سامعہ وقوت باصرہ کو عملی طریقون سے بہت کچھ ترقی دے لیتے ہین، اِسلئے ہمکو سب سے پہلے تربیت حواس کی طرف توجہ کرنی چاہیئے،

وحشی قومین تربیت حواس کے لئے کسی خارجی موثر سے بالکل بے نیاز ہین، ایک بدو صحرا مین اپنے گھر کا خود محافظ ہوتا ہے، اِسلئے اُسکو رات کو جاگ کر ادہر اُدہر دیکھنا، اور ہر آواز کی طرف کان لگانا پڑتا ہے، اور اس طرح اسکے قوت باصرہ وسامعہ خود بخود ترقی کرجاتی ہے، لیکن تمدن نے ہمکو ان جھگڑون سے نجات دلادی ہے، ہم امن وسکون کے ساتھ اپنے گھرون مین سوتے ہین، اور صرف مرغ سحر کی صدا ہمکو بیدار کرسکتی ہے، اسکا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جو چیز ہمارے حواس کو قوی کرسکتی تھی، اُسکو تمدن نے ہم سے چھین لیا ہے، اگرچہ اُسکے معاوضہ مین اُس نے ہمکو ہزارون چیزین دی ہین، اور دوربین وغیرہ کی ایجاد نے مصنوعی طور پر ہماری نگاہ کو بیحد تیز کردیا ہے، تاہم عطیۂ الٰہی کی حفاظت بھی کچھ کم ضروری نہین، ہم نے دور وحشت کی بہت سی چیزون کو محفوظ رکھا ہی،

کھیل کود، سیر و شکار، دوڑ دھوپ، کشتی، دنگل وغیرہ سب کی سب دورِ وحشت کی یادگارین ہین، اور ہمارے قوائے فطریہ کے لئے بیحد نشاط انگیز ہین، اِسلئے تمام قوائے جسمانی کی ریاضت کے ساتھ سب سے پہلے حواس ظاہری کی تربیت کرنی چاہئے، کیونکہ یہی حواس عقلی علوم و معارف کا سرچشمہ ہین، اور عقلی تربیت اُنکے بغیر ناممکن ہے، اب عام طور پر یہ ضرورت محسوس ہو رہی ہے، قوت سامعہ قوت باصرہ، اور قوت لامسہ کی ترقی کے لئے خاص خاص ریاضتین متعین ہو گئی ہین، لیکن مُصنف کے نزدیک تربیتِ حواس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ بچے کے تمام محسوسات اسکے سامنے اصلی صورت مین آئین، تمدن نے اگرچہ ایسے سامان و آلات مہیا کر دیئے ہین جو ہر وقت بچون کے حواس کو چونکاتے رہتے ہین، لیکن پھر بھی یہ ایک مصنوعی محرک ہے، اِسلئے وہ بچون کو شہری زندگی سے الگ دیہات مین رہنے کا مشورہ دیتا ہے، جہان افق عالم، لالہ زار شفق نغمہ ہائے مرغانِ سحر، بوئے گل، غرض تمام محسوسات اپنی اصلی صورت مین نمایان ہوتے ہین،

طریقۂ تربیت　اخلاقی اصول و قواعد، ماں باپ کی عملی زندگی، مذہبی تعلیمات و تلقینات، تربیت کا حقیقی ذریعہ ہین، اور بچے کی تمام زندگی انھی موثرات کے آثار و نتائج سے عبارت ہے، لیکن مصنف کے نزدیک یہ تمام چیزین گوناگون فوائد کے ساتھ ضرر کا پہلو بھی رکھتی ہین، وہ کہتا ہے کہ انجیل اور اسی طرح تمام آسمانی کتابین اخلاقی احکام کا بہترین مجموعہ ہین، لیکن کیا یہ تمام احکام انسان کی عملی زندگی پر کچھ اثر رکھتے ہین؟ انجیل نے ہر موقع پر امن و سلام کی دعوت دی ہے، لیکن کیا اس نے جنگ و جدل کا سدباب کیا؟ اس نے ہر موقع پر مواخات و مساوات کی تعلیم دی، لیکن کیا اس نے استبداد و استعباد کا قلع قمع کیا؟ اس نے کہا کہ جنت کی بادشاہت صرف غربا کے لئے ہے، لیکن کیا وہ قسیس جو تمام دنیا کو اس تعلیم سے اپنی طرف فریفتہ کرتے ہین، خود حب مال و حب جاہ سے بے نیاز ہین؟ داعیان مذہب نے خود محسوس کیا کہ ان سادہ احکام کی اخلاقی عظمت کوئی موثر چیز نہین ہے، اِسلئے اُنھون نے دنیا کو انکی طرف جنت کی طمع اور دوزخ کی دہمکی دیکر متوجہ کیا، لیکن کیا بچے پر آیندہ زندگی کے نتائج و عواقب کا کچھ اثر پڑسکتا ہے؟

ماں باپ کی عملی زندگی بچے کے لئے اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے، جو لوگ اپنی زندگی کو بچے کیلئے اسوۂ حسنہ بنانا چاہتے ہین، یہ لوگ سمجھتے ہین کہ وہ تمام اخلاقی فضائل سے محلی ہین، حالانکہ ایسا نہین ہے، اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ریاکاری سے اپنے آپکو بچے کے سامنے بہترین اخلاقی صورت مین پیش کرتے ہین، اور سمجھتے ہین کہ بچے کو اس خدع و فریب کی خبر نہین ہوتی، حالانکہ بچے کی سادگی کے یہ غلط معنی قرار دیئے گئے ہین، بچہ اچھی طرح سمجھتا ہے کہ اندرون خانہ کیا ہے؟ اور بیرون خانہ کس چیز کی نمائش کیجاتی ہے؟ ایک باپ نے اپنے پنج سالہ بچہ کو جھوٹ بولنے پر سخت سزا دی، لیکن اسی حالت مین نوکر نے خبر دی کہ ایک صاحب آپ سے ملنا چاہتے ہین، اس صدق مجسم نے نہایت بے پروائی سے کہدیا کہ جاؤ کہدو کہ وہ گھر مین نہین ہین، کیا یہ اُسوۂ حسنہ بچے کو صدق و اخلاص کی طرف متوجہ کرسکتا ہے؟

اس طریقۂ تربیت مین سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ بچے کا استقلال بالکل فنا ہو جاتا ہے وہ ماں باپ کے قالب مین بالکل ڈھل جاتا ہے، حالانکہ تربیت کا اصلی مقصد صرف یہ ہے کہ بچہ دنیا مین آزادانہ طور پر بالاستقلال اپنے قوائے فطریہ کی نمائش کرے،

اس بنا پر مصنف کے نزدیک صرف عملی طریقۂ تربیت بچے کیلئے مفید ہو سکتا ہے، اور اس نے دلچسپ عملی مثالون سے اس طریقۂ تربیت کی وضاحت کی ہے،

مساوات کی تعلیم　مساوات کے متعلق اسوقت مذہبی، اخلاقی، بلکہ فلسفیانہ حیثیت سے بھی بہت کچھ کہا جاتا ہے، اور تمام دنیا کو ایک رنگ مین رنگ جانے کی تعلیم دیجاتی ہے، لیکن جو لوگ مساوات کی تعلیم دیتے ہین، وہ عملی حیثیت سے خود اپنے آپ کو تمام دنیا سے افضل

ثابت کرتے ہین، اسلئے بچے کے لئے یہ نمونے کچھ مفید نہین ہو سکتے۔ بچے کو مساوات کی تعلیم صرف عملی طریقہ سے دیجا سکتی ہے، مثلاً تین بچے ہین، ان مین اگر ہر ایک کو کھانے کی صرف ایک چیز دیدی جاے تو اُن مین باہم کسی قسم کا اشتراک نہ پیدا ہوگا، لسبکٹ ہر ایک کی جیب مین ہوگا، اور بوقت ضرورت ہر ایک اسکو اپنی جیب سے نکال کر کھا سکیگا، لیکن اگر یہ صورت ہو کہ ایک بچے کی جیب مین امرود ہو، دوسرے کے پاس ناشپاتی ہو، تیسرے کے پاس سیب ہو، تو مجبوراً ہر ایک کو ایک دسترخوان پر کھانے کی ترغیب ہوگی، جسکے پاس امرود ہے، وہ ناشپاتی کھانا چاہیگا، اسلئے وہ خوامخواہ اُس بچے کو امرود کی قاش کاٹ کاٹ کر دیگا، جسکے پاس ناشپاتی ہے، اب وہ لڑکا جسکی جیب مین سیب ہے، امرود اور ناشپاتی دونو کی طرف لپکیگا، لیکن جب تک وہ ان دونون کو سیب مین شریک نہ کرے کیونکر انکا شریک ہو سکیگا، اس بنا پر لامحالہ اسکو سیب مین ان دونون کو شریک کرنا پڑیگا، اور اس طرح اُن سب مین ایک عام مساوات پیدا ہوجائیگی،

ایثار نفسی کی تعلیم انسان مین اگر ایثار نفسی کا مادہ پیدا ہوجاے تو وہ خود بہت سی اخلاقی برائیون کا قلع وقمع کر سکتا ہے، لیکن بچے مین یہ وصف اخلاقی نصائح سے نہین پیدا ہو سکتا، بچہ فطرۃً خودغرض حریص اور طماع ہوتا ہے، اور اسکو صرف حرص وطمع کی ایک بہترین عملی صورت سے ان مساوی اخلاق سے روکا جا سکتا ہے، مثلاً آم، امرود، خربزہ تین قسم کے پھل ہین، اور انکا زمانہ مختلف ہے، اب فرض کرو کہ تین لڑکے ہین، اور ایک شخص اُنکو ایثار نفسی کی تعلیم دینا چاہتا ہے تو اسکو اس تعلیم کے لئے ایک سال کی مدت معین کرنی چاہئے، اور آم کی فصل مین ایک بچے کو صرف آم، اور امرود کی فصل مین ایک بچے کو صرف امرود، اور خربزہ کی فصل مین صرف خربزہ دینا چاہئے، اول اول جس لڑکے کے ہات مین آم ہے وہ دوسرے بچون کو اس مین شریک کرنا پسند نکریگا، لیکن جاڑے کی ابتدا مین اسکو معلوم ہوجائیگا کہ اس نے اپنے رفیق کے معاملہ مین سخت غلطی کی ہے

اگر وہ اُسکے امرود مین حصہ لینا چاہتا ہے تو اس کا فرض تھا کہ اسکو اپنے آم مین شریک کرتا، یہ غلطی اسکے دل مین ایثار نفسی کا ایک فطری احساس پیدا کریگی، اور اس طریقہ سے چند سال مین اس کی تمام خودغرضیون کا خاتمہ ہوجائیگا،

رُباعیات وحید

میکش کی یہ خواہش ہے کہ میخانہ رہے — عاشق کی ہوس کہ وصل جانانہ رہے
ہین دست طلب مین سب گرفتار وحید — اپنی یہ تمنا ہے تمنا نہ رہے

رُخ کر تجھے جانا ہے جدہر مُڑ کے ندیکھ — بڑھ چل کہ یہ ہے راہِ خطر مڑ کے ندیکھ
فکر تنِ خاکی مین نہ ہو یون برباد — نادان یہ ہے گردِ سفر مڑ کے ندیکھ

بچون کی طرح کبھی مچل جاتا ہون — وحشت مین کبھی دُور نکل جاتا ہون
رفتار زمانہ کا ہون ممنون وحید — لگتی ہے جو ٹھوکر تو سنبھل جاتا ہون

دیوانِ حسرت

از - مولانا عبد السلام ندوی

دہلی مین شاعری نے جو متین اور سنجیدہ قالب اختیار کر لیا تھا وہ مدت ہوئی کہ مردہ ہو چکا تھا، لیکن وہ نغمۂ خاموش حسرت کی بدولت پھر غلغلہ انداز بزم عالم ہوا ہے، اس لیے مین چاہتا ہون کہ اس ساز حقیقت پر ایک مضراب اور لگاؤن کہ

نوا را تیز ترمیزن چو ذوقِ نغمہ کم یابی

حسرت کا نام اُردو پبلک مین محتاج تعارف نہین ہے، حسرت ایک شاعر اور ایک پولیٹکل آدمی ہے، شاید اس سے پہلے شاعری اور پالیٹکس نے ایک آشیانہ مین گھر نکیا ہو، وہ ایک طرف غالب و مومن کا مقلد ہے اور دوسری طرف مسٹر تلک کی اتباع پر فخر کرتا ہے، اردوے معلے کے صفحات مین شاعری اور پالیٹکس کے مضامین اُسکے قلم سے پہلو بہ پہلو نکلتے دیکھکر حیرت ہوتی تھی کہ ایک ہی شخص تخیل اور واقعیت دو بعید الحدود حکومتون پر کس طرح حکمرانی کر سکتا ہے،

حسرت کی شاعری ۱۸۹۴ء سے شروع ہوتی ہے، تسلیم لکھنوی جنکو نسیم دہلوی کا تلمذ حاصل تھا، حسرت کے استاد تھے، بیگم صاحبہ حسرت موہانی نے حسرت کا مکمل دیوان جو آغاز شاعری سے ۱۹۱۶ء تک کے تمام کلام کا مجموعہ ہے، ابھی حال مین شائع کیا ہے[1]، یہ مجموعہ اسوقت ہمارے سامنے ہے، اور حسرت کی شاعری پر ہمکو اسی مجموعہ کی رہبری سے کچھ لکھنا ہی،

اُردو شاعری اپنے قدیم رنگ مین بہرحال زندہ ہے۔ البتہ اس کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہی

(۱) بیگم صاحبہ حسرت موہانی، دفتر اردوے معلے علی گڑھ سے طلب کیجیے۔ قیمت ۱۲ مع محصول،

اور اُسکی سند کے لیے دہلی اور لکھنؤ کے دار الضرب کی خصوصیت نہین رہی ہے، لیکن دہلی اور لکھنؤ کے اسکول مین جو اختلاف مذاق ہے وہ ہر جگہ موجود ہے، آج سے چند سال پہلے تک لکھنؤ کی شوخی نے دلی کی متانت کو شکست فاش دیدی تھی، لیکن جدید تعلیم کی اعانت سے دلی کی شاعری اپنے گزشتہ وقار کا پھر اعادہ کر رہی ہے، اور بے شبہ اس نئی فوج کا علمبردار حسرت کا نکتہ پرداز قلم ہے،

فارسی محاورے اور ترکیبین

شعراے دہلی کے کلام کو جس چیز نے عوام کے طبقہ سے بلند کر دیا تھا وہ فارسی کی ترکیبین اور محاورے تھے، لکھنؤ کے شعراء نے اگرچہ اس زمانے مین ان ترکیبون کو اس قدر بھلا دیا کہ اب وہ بظاہر نامانوس معلوم ہوتی ہین، لیکن حسرت بکثرت ان کو استعمال کرتا ہے۔

یون بسر لیجاے لیل و نہارِ انتظار — زندگی بسر بردن

مستیِ شوقِ یار سے ہی عیان — سرخوشیہاے بیحجاب کے رنگ

خیل خوبان سے ایک مین بھی نہین — آپکے حسن لاجواب کے رنگ

غم یار اے تیرے بسمل ہزارون — اِدھر بھی ہو اِک وار تجھپر فدا ہم

ترے تمکین بیجد کی قسم ایسا بھی ہوتا ہی

بدعواے وفا کیون شکوہ سنج جور ہی حسرت — دیارِ شوق مین ای محو غم ایسا بھی ہوتا ہے

ہے کونسی وہ ایسی ادا دلشکری کی — پنہان جو ترے گوشۂ ابرو مین نہین ہی

دیکھ کس شرم سی عذر وفا تقریر کرتے ہین — ترے سودائیونکو لوگ کیون زنجیر کرتے ہین

پھر کہئے کس امید پہ ہم زندگی کرین — زندگی کردن

جدید ترکیبین

اس سلسلہ مین جو بات خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے، وہ یہ ہے کہ حسرت نے